دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی و اصلاحی

# ماہنامہ دارالعلوم

نگرانِ اعلیٰ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

ابن الانور سید محمد ازہر شاہ قیصر

مجید ۵۳

جلد ۵ شمارہ ۲

دار العلوم دیوبند کا علمی دینی ماہنامہ

# دار العلوم

شعبان ۱۳۷۳ھ مطابق مئی ۱۹۵۴ء

نگرانِ اعلیٰ

حضرت مولٰینا الحاج محمد طیب صاحب مدظلہ

(مدیر)

ابن الانور سید محمد ازہر شاہ قیصر

رسالہ ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ ۱۵ تاریخ کو شایع ہوگا

چندہ سالانہ

ہندوستان و پاکستان سے :- پانچ روپئے ۵ ؍

ممالک غیر سے :- ۱۲ شلنگ، فی پرچہ ۸ ؍

طابع و ناشر سید محمد ازہر شاہ قیصر یونین پرنٹنگ پریس دہلی

مقام اشاعت دار العلوم دیوبند

## فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# حرفِ آغاز

(سید محمد ازہر شاہ قیصر)

## ہمارے معاونین!

(۱) حافظ سراج الدین صاحب نے بھکر ضلع میانوالی سے ایک خریدار کا چندہ بھیجا ہے۔

(۲) جناب نور احمد صاحب صراف نے گجرات (مغربی پاکستان) سے دو خریداروں کی پیشکش کی ہے۔

(۳) جناب حافظ سراج الدین صاحب اور حکیم حشمت اللہ صاحب نے بھکر ضلع میانوالی سے تین خریداروں کا چندہ عنایت فرمایا ہے۔

(۴) مولانا عبد الکریم صاحب مہتمم نجم المدارس کلاچی نے دو خریدار مرحمت فرمائے ہیں۔

(۵) ایم مرتضیٰ حسین صاحب نے کلکتہ سے ایک خریدار عنایت فرمایا ہے۔

(۶) مولانا شرف الدین صاحب نے دملہ ضلع دربھنگہ سے ایک خریدار کی پیشکش کی ہے۔

(۷) جناب سید حیدر علی شاہ صاحب مستونگ (قلات) سے دو خریدار عنایت فرمائے ہیں۔

(۸) ہمارے کرم جناب قاری فیض الدین صاحب نے راولپنڈی سے ۶ خریدار عنایت فرمائے ہیں، احقر مدیر قاری صاحب موصوف کی اس خاص توجہ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے، اُمید ہے کہ آئندہ بھی ان کی ہمدردیاں رسالہ کے شاملِ حال رہیں گی

(۹) مولانا قاضی نور محمد صاحب نے قلعہ دیدار سنگھ (مغربی پاکستان) سے دو خریدار عنایت فرمائے ہیں۔

(۱۰) برادرِ عزیز مولوی رشید احمد صاحب مفتاحی سلمہٗ نے مئو (ضلع اعظم گڑھ) سے ایک خریدار کی پیشکش کی ہے۔

(۱۱) ہمارے کرمفرما الحاج مولانا عبد الباری صاحب نے مدراس سے دو خریدار عنایت فرمائے ہیں۔

## اہلِ قلم سے گذارش!

اِس میں شک نہیں کہ دار العلوم کے ترجمانِ علمی کی حیثیت سے رسالہ دار العلوم کی حیثیت روزمرہ کے پیدا ہونیوالے دینی، علمی اور کلامی مسائل میں واضح اور اطمینان بخش رہنمائی کا سامان جمع کرنے کی ہے اور اس مقصد کیلئے اسے علمی مباحث کی دِقت، مضامین کی طوالت، الفاظ و لغات کی غرابت اور پیرایۂ بیان کی کچھ قدامت کو بھی بضرورت اپنے ساتھ لیکر چلنا پڑتا ہے مگر اب ہم نے تجربہ سے یہ جانکر کہ علماء فضلاء کی علمی مشکلات سے زیادہ عوام کا فسادِ دین وعقیدہ اور مسلمانوں کے عوامی طبقوں کا فکری اور ذہنی انتشار و اختلال اپنی اصلاح و تعمیر کے لئے ہماری توجہات کا زائد مستحق ہے یہ فیصلہ کیا ہے کہ علمی مباحث کی ایک معتدبہ مقدار کے ساتھ ہم اب عوام کے لئے قریب الفہم، کثیر المنفعت اور مختصر مضامین کی اشاعت کا بھی انتظام کرینگے۔ چنانچہ اس آخری اور صحیح فیصلے کے بعد ہم اپنے محسن اہلِ قلم حضرات کی اطلاع کے لئے عرض کرتے ہیں کہ آئندہ قسطوار مضامین ضرورت شدیدہ کے بغیر قبول نہیں کئے جائینگے، جو اہلِ علم حضرات اپنے قیمتی اوقات صرف فرماکر ازراہ علم دوستی ہمارے لئے مضامین لکھتے ہیں وہ کسی موضوع پر قلم اُٹھانے سے پہلے اُسے مختصر و سہل بنانے کا خیال ضرور فرمائیں، انشاء اللہ اُن راہوں پر ان کی علمی کاوشیں زیادہ مؤثر و مقبول ہو سکیں گی اور ہم بھی رسالہ کو اپنے حلقہ احباب کے لئے زیادہ مفید بنا سکیں گے وما توفیقی الا باللہ وعلیہ توکلت والیہ انیب۔

# کوائفِ دار العلوم دیوبند

## غلہ اسکیم اور تقسیمِ انعام کا جلسہ!

حسبِ دستور امسال بھی شعبۂ تنظیم و ترقی کی طرف سے غلہ اسکیم اور شعبۂ تعلیمات کی طرف سے تقسیمِ انعام کا سالانہ جلسہ ۱۳ و ۱۴ مارچ کو بصدارت جناب شیخ محمد ضیاء الحق ممبر مجلسِ شوریٰ دار العلوم میں منعقد ہوا۔ ضلع مظفر نگر، سہارنپور، بجنور (جو غلہ اسکیم کے سلسلہ میں شعبۂ تنظیم و ترقی کے حلقۂ کار میں شامل ہیں) کے تقریباً ڈھائی ہزار کاشتکار اور اہلِ زراعت نے بڑے شوق اور امنگ کے ساتھ اس جلسہ میں شرکت کی۔ باہر سے آنے والے مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام دار العلوم کی طرف سے تھا۔ دار العلوم کی بڑی بڑی عمارتوں اور درس گاہوں میں مہمان عزیز مقیم تھے۔ کھانے کے لئے مطبوعہ ٹکٹ تقسیم کئے گئے تھے، جلسہ کے انتظامات مہمانوں کی خاطرداری اور ان کے قیام و طعام کی ذمہ داریوں کو جملہ کارکنانِ دار العلوم نے بڑی سلیقگی کے ساتھ پورا کیا۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مدظلہ، حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ، مولانا محمد اعزاز علی صاحب۔ مولانا مبارک علی صاحب۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب اور تمام اساتذہ و طلبہ جلسہ میں شامل رہے۔ عزیز طلبہ نے بھی اپنی تقریروں سے سامعین کو محظوظ کیا۔ حضرت مولانا مدنی مدظلہ نے ۷۲ھ کے کامیاب طلبہ کو انعامات تقسیم فرمائے، اور ۱۴ ر کی شب میں اس مجمعِ کثیر کے سامنے ایک بصیرت افروز تقریر بھی فرمائی۔

افسوس ہے کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ، مراد آباد کے سفر سے واپس تشریف لاکر ان تاریخوں میں انفلوئنزا میں مبتلا تھے اس لئے مقامی اور غیر مقامی شائقین کی دلی خواہش کے باوجود اس اجتماع میں تقریر نہیں فرما سکے، باہر سے آنیوالے مہمانوں نے دار العلوم کے خزانے میں بلا طلب امدادی رقمیں اور چندے بھی مرحمت فرمائے، جن کی مقدار تقریباً تین ہزار ہے۔

## دو خاص عطیئے!

(۱) جناب طیبہ بی بی مہتمم مدرسہ نسواں بھوپال ملحقہ دار العلوم دیوبند نے مبلغ دس روپے طلباء کو انعام میں تقسیم کرنے کے لئے بھیجے ہیں۔

(۲) مولوی محمد اسحاق صاحب مالک کتب خانہ رحیمیہ دیوبند نے انعامی جلسہ کے موقع پر پانچسو سے زائد روپے کی کتابیں جو کاغذ، کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی اچھی حالت میں تھیں طلبہ کو تقسیم کرنے کے لئے مرحمت فرمائی ہیں، موصوف دار العلوم کے فاضل ہیں اور اپنی مادرِ علمی سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔

## مجلسِ شوریٰ کا جلسہ!

۳۰ / ۳۱ مارچ کو مجلسِ شوریٰ کا جلسہ بصدارت مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب کٹھوری منعقد ہوا۔ جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہ، حضرت مولانا محمد طیب صاحب، حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی، حضرت مولانا محمد میاں صاحب، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، مولانا محمود احمد صاحب نانوتوی، جناب حکیم مقصود علی خاں صاحب، جناب مولانا حکیم محمد یٰسین صاحب نگینوی، جناب مولوی محمد زبیر صاحب، مولانا محمد سعید صاحب سملکی،

(بقیہ ص ۴۲)

قسط ۱۹:

مقالات

# فلسفۂ نعمت و مصیبت

(حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ)

قرآن نے ہر چیز کو قانت اور مطیع حق کہا ہے، ارشاد ربانی ہے:-

كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ ۔ "ہر چیز اسی کی مطیع اور فرمانبردار ہے"

پھر یہ قنوت و طاعت نہ صرف اجمال ہی کی حد تک ہے بلکہ ہر ہر ذرہ کو تفصیلی طور پر اپنی عبادت کی انواع تسبیح و تحمید کا شعور بھی ہے

ارشاد حق ہے:-

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۔ "اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو خدا کی حمد و تسبیح نہ کرتی ہو، ہاں انسان سب کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔"

پھر نہ صرف اذکار ہی کی حد تک ان اجزاء عالم کو شعور ہے بلکہ اشغال اور ہیئات ذکر یعنی نماز تک کا بھی انہیں شعور و ادراک دیا گیا ہے۔

ارشاد حق ہے:-

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۔ "ہر چیز خدا کی تسبیح اور اس کی نماز کو جانتی ہے۔"

جس سے واضح ہے کہ اس کائنات کا مشترک سرمایہ جو اس کے ذرہ ذرہ میں پھیلا ہوا ہے وہ علم و ادراک ہی ہے جو ہر ایک جزو کو اسی کی استعداد و قابلیت کے مطابق عطا ہوا ہے۔ اس شعور پر صرف شریعتیں ہی اپنے علم کی رو سے ناطق نہیں بلکہ جاہل مادیت نے بھی جدید اکتشافات و ایجادات کی رو سے اس کا اعتراف کر لیا ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں احساس و ادراک کی دولت اسی طرح ودیعت کی گئی ہے جس طرح بدن انسانی کے جزو جزو میں حِس کی قوت بکھری ہوئی ہے، جس پر ڈگری یافتہ ڈاکٹروں نے مدلل تصنیفیں کیں اور عملی طور پر تجربہ گاہیں بنا کر اس شعور و ادراک کا امتحان کیا ہے جس سے وہ قطعی طور پر اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ دنیا کی کوئی نوع اور نوع کا کوئی فرد احساس و شعور اور شعوری احوال و کیفیات سے خالی نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ جب کائنات میں مابہ الاشتراک یہ احساس و ادراک ہے تو قدرتی طور پر اجزاء کائنات میں مابہ الربط بھی یہی احساس کی طاقت ہو سکتی ہے جس سے عالم کی یہ ہیئت اجتماعی قائم ہو، ورنہ عملی قویٰ کی محدود خصوصیات اور محض مقامی کارگزاری تو ہر جزو کو دوسرے جزو کی علیحدہ اور غیر مربوط ثابت کرتی ہے نہ کہ مربوط اور مجتمع، جس سے اس کی ہیئت اجتماعی بن ہی نہیں سکتی۔ اس سے صاف واضح ہے کہ اگر دنیا میں یہ احساس و شعور کا مابہ الاشتراک قائم نہ رہے تو دنیا کے سارے اجزاء ایک دوسرے سے منقطع ہو جائیں اور عالم کی ہیئت اجتماعی مٹ کر اس کا ذرہ ذرہ بکھر جائے، جو بلاشبہ اس عالم کی موت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب احساس و ادراک سے دنیا قائم ہے اور اس کا مخزن ملائکہ ہیں تو گویا عالم کی زندگی ملکیت اور اس کے فیضان سے ہے۔ جس حد تک اس عالم سے ملکیت ختم ہوتی جائے گی اسی حد تک اس کے اجزاء متصادم ہو کر بکھرتے اور مٹتے جائیں گے اور وجود کی دولت سے محروم ہو کر بدستور عدم کی ظلمت میں جا چھپیں گے۔

یہاں سے یہ چیز بھی صاف ہو جاتی ہے کہ ملکیت کا یہ علمی فیضان یوں تو ذرہ ذرہ تک پہونچا ہوا ہے لیکن چونکہ انسان میں یہ قوائے ادراک بفیض ملائکہ اور انواع سے زیادہ اور نہایت مکمل اور جامع صورت میں آئے ہیں، اس لئے انسان کے شعوری قویٰ کو کائنات کے ان ادراکی قویٰ (ملائکہ) سے خاص قرب اور ربط ہونا چاہئے کیونکہ یہ ملائکہ ہی تو انسانی قوائے شعور کی اصل ہو سکتے ہیں۔ اور قدرتی طور پر ہر شیٔ کو اپنے مخزن اور اپنی اصل سے طبعی علاقہ ہوتا ہے کہ بغیر اس سے

ربط رکھے اُس کی زندگی ہی قائم نہیں رہ سکتی۔ بالخصوص جبکہ وہ اوروں کی نسبت محض زن سے زیادہ مستفید اور اُس میں زیادہ گھسی ہوئی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ملائکہ کا جو شعور بھی اس کائنات کے بارہ میں نمایاں ہوگا وہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ انسان پر روشن ہوگا کہ اُسی کے آئینہ ہائے شعور ان ملائکہ سے زیادہ قریب اور زیادہ محاذی ہیں۔ اِس صورت میں انسان ان قوائے ادراک (ملائکہ) کے سامنے بمنزلہ قوئی عملیہ کے ہوگا کہ وہاں کے علم کا جو عمل بھی ہوگا وہ پہلے انسان پر ہوگا اور انسان ہی اوسے سمجھ بوجھکر سب سے زیادہ انجام دے سکیگا۔ اور دوسرے اجزاءِ کائنات بمنزلہ اعضاء کے ہونگے جن کا کام صرف حرکت کرنا ہوگا اور وہ انسان کی حرکت سے اِسی طرح متحرک ہوں گے جیسے عالم انفس میں حواسِ خمسہ کی علمی حرکت سے قوائے عملیہ متحرک ہوتے تھے اور ان عملی قوئی کی حرکت سے اعضاء بدن حرکت میں آتے تھے۔ بس اِسی طرح اِس عالم آفاق میں عرش عظیم کے ایما سے شعوری اور ادراکی حرکت تو ملائکہ کی طرف سے ہوگی اور انسان جبکہ مثل قوائے عمل کے ہے جو خود بھی حساس ہے تو عملی برانگیختگی نوعِ انسانی سے ہوگی اور اس کی حرکت سے پھر باقی تمام اجزاء کائنات درجہ بدرجہ حرکت میں آئیں گے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جیسے انسانی کائنات میں علمی قوئی ہیں جو یقیناً مثبت اور وجودی ہیں ایسے ہی کچھ قوئی اُس میں جہل کے بھی ہیں جو گو ہمرنگ علم ہیں مگر حقیقت میں وہ سلبی اور عدمی قوتیں ہیں جیسے شک و وہم اور تخییل کہ بظاہر اُن کا پرواز علم جیسا ہے اُن میں سوچ بچار اور تفکر کی جگہ بھی ہوتی ہے جو علم کا رنگ ہے اس لئے وہ صورتاً تو علم نظر آتی ہیں لیکن حقیقتاً یہ چیزیں اقسام علم میں سے نہیں بلکہ اقسام عدم العلم میں سے ہیں جنھیں از قسم جہل سمجھنا چاہئے اس لئے جیسے علمی قوئی وجودی تھے یہ شکی اور وہمی قوئی عدمی ہیں۔ مگر بہر حال عمل میں یہ بھی مؤثر ہوتی ہیں اور ان کے زیر اثر یا ان سے صادر شدہ عمل، ظاہر ہے کہ جاہلانہ ہی عمل کہلایا جائے گا اور جبکہ وہ اقسام جہل میں سے ہیں نہ کہ اقسام علم میں سے تو اُن میں نور کے بجائے ظلمت ہوگی اور اُن سے سرزد شدہ عمل ظالمانہ ہوگا نہ کہ عادلانہ۔ غرض شک، وہم، تخئیل وغیرہ جہلی اور عدمی قوتیں ہیں اور ان سے ظلم و جہل کی حرکات سرزد ہوتی ہیں، جن کو بدعملی اور معصیت کہنا چاہئے۔ ہاں پھر ان بدعلمیوں کا اثر اُسی اشتراک احساس سے پورے بدن پر پڑجائے گا۔ مثلاً اگر کوئی شرابخواری کریگا جو ایک جاہلانہ اور ظالمانہ فعل ہے تو صرف معدہ ہی برباد نہوگا بلکہ اُس حوض بدن سے اُس کے ناپاک اثرات سارے اعضاء پر چھاجائیں گے۔ اگر زنا کاری میں مبتلا ہے گا تو اس کا اثر صرف اعضاءِ توالد ہی پر بُرا نہیں پڑے گا بلکہ اُس سے پیدا شدہ ضعف، اور خبث سارے ہی اجزاء بدن میں سرایت کر جائے گا۔ اگر پوری قوم ملکر یہ حرکات کرے گی تو بحیثیت مجموعی پُوری قوم مبتلائے امراض و آفاتِ بدن ہوگی، کیونکہ احساس کی قوۃ بدن کے جزو جزو میں پھیلی ہوئی ہے جو ایک جزو بدن کی خرابی کو اُسی آن دوسرے اجزاء تک پہونچا دیتی ہے۔ بعینہ اِسی طرح اس عالم کائنات میں بھی اُس کے قوائے ادراک (ملائکہ) کے شبیہ کچھ قوائے جہالت بھی ہیں جو صورتاً ہمرنگ علم ہیں مگر حقیقتاً جہالتوں کے خزانے ہیں جن سے شک۔ وہم اور تخیلات محضہ وغیرہ کی موجیں اُٹھتی ہیں اور وہ ہمرنگ علم ہوکر بظاہر نظر علم میں رل ملجاتی ہیں جنھیں علم سمجھا جاتا ہے مگر وہ علم نہیں ہوتیں اور اس طرح جہل مرکب کا دروازہ کھُل کر تلبیس و اشتباہ کا دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے اور ظلم و جہل کے آثار پھیلتے رہتے ہیں انہی خزانہ ہائے تلبیس و اشتباہ کا نام شرعی زبان میں شیاطین ہے پس انفس میں قوائے عدم العلم، ظن و وہم اور شک و تخیل ہیں۔ جن سے نفسانیت بھڑکتی ہے اور آفاق میں یہ عدم علم کی قوتیں شیاطین اور جنات ہیں جو ہمرنگ علم ہیں مگر بحقیقت خزانہ ہائے جہالت و تلبیس ہیں اس لئے ان قوتوں سے خلط و اشتباہ، دجل و فریب اور تلبیس ہوکر حق و باطل مخلوط اور مشتبہ ہوجاتا ہے اور جہالت و ظلمت کے آثار دُنیا میں نمودار ہونے لگتے ہیں۔ مگر ہاں جبکہ انسانی وجود کے کمال کی وجہ سے اس کا عدمی پہلو بھی جامع تھا کہ جتنے اعدام کے پہلو تھے اُتنے ہی اُس میں موجودات آگئے اِس لئے قدرتی

طور پر بہ نسبت اور اجزاء کائنات کے انسان کو جس حد تک ملائکہ سے مناسبت ہوگی اُسی درجہ میں شیاطین اور شیطنت کے آثار سے بھی پوری ہی مناسبت ہونی چاہئے کہ اس میں خود بھی شیطنت کا مادہ موجود ہے یعنی جہل برنگ علم جس کو ہم نے شک وہم اور تخییل سے تعبیر کیا ہے، اور جبکہ ہر فرع کو اپنی اصل سے طبعی علاقہ ہوتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ انسان کو اپنے اس عدمی مادہ کی حد تک، جو اُس کی نفس کی اصل ہے عالم کائنات کے ان عدمی قویٰ اور سلبی پیکروں (شیاطین) سے بھی کافی علاقہ ہے جس کے سبب اس سے یہ جاہلانہ اور ظالمانہ حرکات سرزد ہوتی ہیں۔ پس ان بے اعتدالیوں کا اساسی مادہ خود انسان میں ہے اور اُس کا خزانہ شیاطین میں، اس لئے جیسے طاعات میں اس کا کنکشن ملائکہ سے تھا جو وجود کے پرتوے تھے ایسے ہی معاصی میں اُس کا کنکشن شیاطین سے ہے جو عدمی اور سلبی قوتوں کے مظاہر ہیں۔ ایک سے قرب پیدا کرکے یہ وجود کی طرف بڑھتا ہے کہ عمل کا مادہ بھی وجودی، خزانہ بھی وجودی، اور خود عمل بھی وجودی جبکہ اُس کی نسبت وجود کی طرف یعنی علم اور عدل کی طرف ہے اور ایک سے قرب پیدا کرکے یہ انسان عدمیت اور فناء و ہلاک کی طرف بڑھتا ہے کہ عمل کا مادہ بھی عدمی، خزانہ بھی عدمی اور خود عمل بھی عدمی کہ عدم علم عدم عدل اور ناحق کی طرف منسوب ہے۔ اس سے خود ہی یہ واضح ہوگیا کہ انسان کی ان بے اعتدالیوں اور ظلم و جہالت کی حرکات کا اثر بھی اُسی رشتۂ احساس کے اشتراک سے جو کائنات کے ذرہ ذرہ میں پھیلا ہوا ہے، کائنات کے ذرہ ذرہ ہی تک پہونچنا چاہئے۔ پس جیسے انسان کے اعمال کے اچھے اثرات دُنیا کے قوائے ادراکیہ (ملائکہ) کے واسطہ سے پوری دُنیا پر پڑتے تھے، ایسے ہی بُرے اثرات بھی دُنیا کے ان قوائے وہمیہ (شیاطین) کے واسطہ سے پوری ہی دُنیا پر پڑنے چاہئیں یعنی اگر صلاح دُنیا میں عام ہو سکتی ہے تو ضد صلاح یعنی فساد بھی عمومیت اختیار کر سکتا ہے۔ قرآن حکیم نے فرمایا:۔

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون۔

"انسانی اعمال کی بدولت خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا۔ تاکہ اللہ تعالےٰ اُن کے اعمال کا کچھ مزہ چکھائے، شاید کہ وہ توبہ کریں"

خلاصہ یہ ہے کہ یہ عدمی الاصل کائنات اپنی عدمی جبلت کو کلیۃً چھوڑ کر ملائکہ سے کلیۃً مربوط بھی نہیں ہو سکتی کہ بالکل فرشتہ صفت بن جائے کہ اس میں سلبی اور عدمی جذبات کے مراکز اور خزانے بھی موجود ہیں یعنی شیاطین جو اُسے سلبی حرکات رجعت پسندی اور ہلاک و فناء کی طرف بڑھاتے رہتے ہیں اور ایسے ہی وہ کلیۃً وجودی فطرت کو چھوڑ کر کلیۃً شیاطین سے بھی مربوط نہیں ہو سکتی کہ شیطنت مجسم ہو جائے کہ اس میں اعلائے وجود کے خزانے یعنی ملائکہ بھی موجود ہیں جو اُسے وجودی افعال اور ترقی و ارتقاء کی طرف بڑھاتے رہتے ہیں۔ پھر انسان میں خصوصیت سے یہ دونوں پہلو زیادہ اہمیت لئے ہوئے ہیں کہ اُس کے دونوں خیر و شر کے مادے خصوصیت سے ملائکہ و شیاطین سے زیادہ مربوط ہیں اور ہر آن انسان کو اِس ملکاتی علاقہ سے ان دونوں متضاد نوعوں کا فیض پہونچتا رہتا ہے،

چنانچہ بروایت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ہر انسان میں ایک داعیہ شیطانی ہے جو اُسے بدی پر اُبھارتا ہے، تکذیب حق پر آمادہ کرتا ہے (جس سے انسان حق سے اور بالفاظ دیگر اپنی وجودی اصل سے وابستہ نہ رہے) اور ایک داعیہ ملکی ہے جو اُسے نیکی پر اُبھارتا ہے، اور تصدیق حق پر آمادہ کرتا ہے (جس سے انسان اپنی وجودی اصل حق تعالےٰ سے جُڑ جائے) اور اُن ہی کی روایت سے دوسرا یہ ارشاد ہے کہ کوئی بھی انسان ایسا نہیں جس کے ساتھ ایک ساتھی شیاطین میں سے نہو (جو اُسے شر اور بُرائی کی طرف کھینچتا ہے جس کا نام وَسْوَاسْ ہے) اور ایک ساتھی ملائکہ میں سے نہو (جو اُسے خیر اور بھلائی کی طرف لاتا ہے جس کا نام مُلْہِمْ ہے)۔ پھر بعض روایات میں ان ساتھیوں کا مقام بھی بتلایا گیا ہے کہ قلب کے دائیں جانب فرشتہ کا مقام ہے اور بائیں جانب شیطان کا۔ اِس سے واضح ہے کہ شیطنت اور ملکیت انسان کے اندر بھی ہے اور باہر بھی ہے۔ یعنی خود اپنی بھی ہے اور اپنے ہی ساتھ

غیر کی بھی لگی ہوئی ہے، اس لئے انسانی اعمال میں دو رنگی پیدا ہونی لازمی تھی اور قدرتی طور پر انسان کے اعمال نیک و بد کی طرف تقسیم ہونے ضروری تھے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تقسیم نسبتوں ہی کے لحاظ سے ہوسکتی تھی کہ ایک نوع عمل ملکی کہلائے اور ایک شیطانی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ نیک و بد عمل کی صورت میں تو کوئی فرق ہوتا ہی نہیں نیکی اور بدی ایک ہی شکل کی ہوتی ہے کافر اور مسلم یا فاسق اور متقی کے بے شمار اعمال یکساں ہی صورت رکھتے ہیں۔ فرق اگر ہوتا ہے تو دونوں کی نسبتوں میں ہوتا ہے جس سے اُن میں وجود و عدم کا تقابل پیدا ہوجاتا ہے کیونکہ شیطانی طاقت عدمی اور سلبی طاقت ہے جو حق سے منقطع ہے اور ناحق ہے اور بعید ہے۔ چنانچہ شیطنت کے لفظی مأخذ یعنی شطن کے معنی ہی خود بُعد کے ہیں اور اسی لئے شیاطین کی صفت کفور اور عاصی فرمائی گئی، جو حق اور رحمۃ حق سے دُوری پر دلالت کرتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔
وکان الشیطان لربہٖ کفوراً۔ اور ان الشیطان کان للرحمٰن عصیاً۔ اِس لئے اُس کی طرف منسوب شدہ اور اُس سے صادر شدہ اخلاق و اعمال بھی بوجہ کفر و عصیاں سے سرزد ہونے کے عدمی کہلائیں گے کہ عدم طاعۃ عدم انقیاد اور عدم ایمان سے سرزد ہوئے۔ گو وہ صورتاً وجودی نظر آئیں اور ملکی طاقت وجودی اور مثبت طاقت ہے اور وجود بھی اعلیٰ نوع کا جو حق سے وابستہ بھی ہے اور حق تعالےٰ سے قریب تر بھی۔ چنانچہ ملائکہ کی صفۃ ہی مقربین اور مکرمین اور مطیعین فرمائی گئی ہے، ارشاد ربانی ہے بل عبادٌ مکرمون۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ ولا الملائکۃ المقربون۔ ایک جگہ ارشاد ہے:۔ لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون۔ اِس لئے اُس سے منسوب شدہ اور صادر شدہ اخلاق و اعمال بھی وجودی کہلائیں گے جس کا راز وہی ہے کہ ملائکہ قوائے علم و عدل ہیں تو اُن سے منسوب شدہ اعمال میں علم و عدل کی قوتیں کارفرما ہوں گی جو وجودی

طاقتیں اور وجود کے حصے ہیں اور شیاطین قوائے جہل و فساد ہیں اس لئے اُن سے منسوب شدہ اعمال میں جہل و ظلم کی قوتیں کارفرما ہوں گی جو عدمی قوتیں اور عدم کے حصے ہیں کہ جہل و ظلم کی حقیقت ہی عدم العلم اور عدم العدل ہے پس نیکی اور بدی کی فعلی صورت یکساں ہوتی ہے صرف نسبۃ کا فرق ہوتا ہے جس سے وہ وجودی اور عدمی کہلاتی ہے۔ مثلاً نکاح و سفاح یعنی مباشرۃ حلال اور زنائے حرام کی صورت اور فعل کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں فرق اگر ہے تو صرف حقیقت اور نسبت کا ہے کہ نکاح میں علم حق، نام حق اور اذن حق اور عدل الٰہی کی کارفرمائی ہوتی ہے تو وہ جائز اور ثابت قرار پاتا ہے اور زنا میں جہل نفس، ظلم نفس اور ممانعت حق کی کارگذاری ہوتی ہے، اس لئے وہ ناجائز، ناروا اور ناحق کہا جاتا ہے جس میں ساری نسبتیں عدم اور نفی اور سلب کی لگ جاتی ہیں۔ لُوٹ مار اور احراز غنیمت میں صورتاً کوئی فرق نہیں صرف نسبۃ کا فرق ہے۔ غنیمت اجازت حق سے ہے، اور لُوٹ کھسوٹ تقاضائے نفس سے۔ حق منبع علم ہے اور نفس منبع جہل۔ اس لئے لُوٹ میں جہالت و ظلمت کی کارگزاری ہوگی اور غنیمت میں علم و عدل کی۔ اول شیطانی داعیہ سے صادر ہوگی اور ثانی ملکی داعیہ سے۔ اخلاقی سلسلوں میں وقار اور کبر میں بظاہر کچھ فرق نہیں۔ لیکن فرق ہے تو صرف نسبت کا ہے، وقار اور خودداری اطاعتِ حق سے ہوتی ہے جس سے اُس میں تواضع اور فنائیت رچی ہوئی ہوتی ہے، اور کبر و انانیت مقابلۂ حق ہے جس سے اُس میں نخوت و رعونت اور معارضۂ حق بسا ہوا ہوتا ہے۔ پہلی چیز عالمانہ ہوگی جس کا مأخذ ملائکہ ہوں گے جن کی فطرت ہی لایعصون اللہ ما امرھم ہے۔ دوسری چیز جاہلانہ ہوگی جس کا مأخذ شیاطین ہوں گے، جن کی جبلت ہی وکان الشیطان لربہٖ کفوراً ہے۔ تواضع اور ذلتِ نفس کی صورتوں میں کوئی فرق نہیں فرق ہے، تو نسبۃ کا ہے کہ تواضع میں کسرِ نفسی لوجہ اللہ ہوتی ہے، اور

ذلت نفس میں لوجہ الخلق۔ اول ثبت اور وجودی چیز ہے کہ امر ثابت ہے ثابت ہے اور ثانی منفی اور عدمی چیز ہے کہ خلاف امر ہے اور ناحق ہے۔

بہرحال نیکی اور بدی یا مسلمانہ اور کافرانہ عمل میں صورت اور نوعیت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ صرف نسبتوں کا فرق ہوتا ہے جن سے ملکی اعمال حق اور ثابت اور اصل حقیقی سے جڑے ہوئے اور ایک مضبوط کلمہ ہوں گے اور اُن میں علم الٰہی اور علم ملائکہ کی روشنی کارفرما ہوگی اور شیطانی اعمال ناحق۔ بے اصل۔ یعنی باطل اور اصل حقیقی سے کٹے ہوئے، اور ایک بے استقرار کلمہ کی طرح ہوں گے جس کی کوئی جڑ بنیاد نہو، اور اُن میں جہالت نفس اور تلبیس شیطانی یعنی جہل بسیط اور مرکب دونوں کارفرما ہوں گے۔ مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء و مثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض مالھا من قرار۔

اِس لئے یہ بھی قدرتی چیز ہے کہ وجودی اعمال کرکے آدمی وجود سے قریب ہوگا اور عدمی اعمال کرکے عدم اور سلب سے قریب ہوگا اور ساتھ ہی پھر ہر نوع کا عمل اپنی اصل میں انبساط اور پھیلاؤ بھی پیدا کریگا۔ پس انسان کی یہ بدکاریاں اور عدمی حرکتیں جبکہ انسانی کائنات کی انفسی جہالت یعنی اُس کے قوائے وہم و شک اور اوہام و خیالات سے صادر ہوں گی اور اوپر سے اُنھیں آفاقی کائنات کے قوائے وہم و شک یعنی شیاطین کی مدد ملے گی۔ اور اُن میں انبساط پیدا ہوگا۔ گویا ان بدعملیوں کے صُدور میں انسان کی اندرونی اور بیرونی شیطنت یا خارج و داخل کی عدمی قوۃ متحد ہو جائے گی تو طبعی طور پر یہ بدکار انسان اپنی عدمی جبلت سے قریب ہوتا ہے گا جس کا مخزن خود اُس کا عدمی الاصل نفس ہے اور یہی عدمی جبلت یا نفسانیت پھیلتی اور جڑ پکڑتی رہے گی۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے نفس کی داخلی عدمی جبلت سے قریب ہوکر وہ طبعًا کائنات کی خارجی عدمی جبلت سے ملحق ہو جائے گا جس کے خزانے یہ قوائے جہل و ظلم شیاطین ہیں کیوں کہ انسان کی نفسانیت و جہالت کا مخزن یہی شیاطین ہیں جن کے فیض سے عالم میں عدم علم اور عدم عدل کی فراوانی ہے۔ گویا ان عدمیات یعنی عدم العلم اور عدم العدل کے پیاپے استعمال اور دوامی مزاولت سے اُس کا شمار ہی انجام کار شیاطین میں سے ہو جائے گا جو ان عدمیات کے خزانے ہیں۔ اور اس طرح یہ عدم پسند انسان اپنے عدم اور فنا و ہلاک کو خوب مستحکم بنا لے گا۔ اور وُجودی خزانوں اور علم و عدل کے مخزنوں یعنی ملائکہ سے بعید تر ہوکر وجود سے دُور اور نجات و فلاح سے کلیتہً بیگانہ ہو جائے گا۔ جس سے یہ ضرور واضح ہوگیا کہ معصیۃ کی حقیقت مخزنِ علم و حقیقت سے دُوری یعنی بعد عن اللہ ہے، اور طاعۃ کی حقیقت اُس مخزن جود و وجود سے قرب یعنی تعلق مع اللہ ہے۔

اَب ان مصائب کے وُرود کی کیفیت بھی اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گی کیونکہ اس آفاقی جہان میں بھی ورودِ مصائب کی وہی نوعیت ہے جو عالم النفس میں ہوتی ہے۔ یعنی جس طرح وہاں کسی فساد زدہ عضو کے فساد اور سلب صحت کا شعور بواسطۂ قلب سب سے پہلے قوائے ادراک، اور حواس خمسہ کو ہوتا تھا، اور اُن کے واسطے سے تمام اعضا ربدن باشعور بنکر اس فساد کی اذیت محسوس کرتے تھے اور پھر اُس کے دفعیہ کی ہمت باندھتے تھے ایسے ہی اس کائنات آفاق میں بھی جس حصۂ عالم یا جس طبقۂ کائنات اور خصوصًا جس انسانی ملت میں فساد آئے گا یعنی جونسی ملت بھی ملائکہ علوم سے کٹ کر اور شیاطین جہل و طغیان سے جُڑ کر جاہلانہ حرکات اور بے اعتدالیوں پر اُتر آئے گی تو اُس کا سب سے زیادہ احساس علوم عرش کے واسطے سے عالم کے انہی قوائے ادراک و شعور یا مخفی حواس ملائکہ کو ہوگا۔

پھر جس طرح کسی بھی عضو کی بُری حرکتوں پر خود انسان کا ضمیر اور عالم قلب اندر سے ملامت کرتا اور دماغ منقبض اور مکدر رہوتا ہے، گو جاہل نفس خوش ہوتا ہے اِسی طرح

عالم کے یہ قوائے علم وعقل ملائکہ علیہم السلام فساد زدہ ملت پر ملامت کرتے ہیں۔ اور اُس سے منقبض اور مکدر ہو کر اُس کی ظالمانہ حرکتوں پر جھنجلاتے ہیں، گو قوائے جہل و فساد شیاطین خوش ہوتے ہوں۔ پھر جس طرح عالم نفس کے یہ قوائے احساس حواس علم وعقل نفس کی بدکاریوں سے خود متنفر ہوتے ہیں اور اُسی رشتہ احساس کے اشتراک سے دوسرے اعضاء میں بھی اس فاسد عضو کی طرف سے نفرت پھیلا دیتے ہیں۔ جیسے گلے سڑے ہاتھ کو آنکھ بھی نفرت سے دیکھتی ہے دل بھی گھنتا ہے، کان بھی اُس کی بات سُننا نہیں چاہتے، دوسرے اعضاء بھی اُس کے چھو دینے سے پرہیز اور گریز کرتے ہیں اور اسی عمومی نفرت سے تمام اعضاء بدن کی ہمت اُس کی اصلاح پر اور بعد مایوسی اُس کے استیصال پر متوجہ ہو جاتی ہے۔ ورنہ اگر یہ نفرت بذریعہ حواس عام نہ ہو تو کسی عضو میں جذبۂ اصلاح بھی نہ پیدا ہو، ایسے ہی عالم آفاق کے حواس یعنی ملائکہ پہلے کسی فساد زدہ ملت اور جرائم پیشہ قوم سے خود متنفر ہوتے ہیں اور پھر اس احساس کے عموم اشتراک سے یہ تنفر تمام اعضاء کائنات میں درجہ بدرجہ پھیلا دیتے ہیں دریا کی مچھلیاں، پہاڑوں کے پتھر، صحراؤں کے جانور اور بستیوں کے انسان سارے ہی اُس قوم سے متنفر ہو جاتے ہیں اور جس طرح انسانی دماغ بدنی فساد کی اصلاح و تدارک پر خود اُسی بدن کے اعضاء کو متوجہ اور مسلط کرتا تھا اور اُسی رشتہ احساس کے اشتراک سے بدن کے ہر جزو کو گویا الہام کرتا تھا کہ وہ اس فاسد عضو کا تدارک یا استیصال کریں۔ اِسی طرح اس آفاقی کائنات میں بھی فساد زدہ ملت اور جرائم پیشہ قوم کے معالجہ و تدارک یا استیصال کیلئے کائنات کے یہ قوائے ادراک یعنی ملائکہ جن کو عالم کا دماغ کہنا چاہئے اسی کائنات کے ان متنفر اجزاء و اعضاء کو فساد زدہ جزو پر مسلط کرتے ہیں اور باندازِ جرائم مجرموں کو ان جرائم کا بھگتان کراتے ہیں۔ کبھی اُسی رشتۂ شعور و احساس کے اشتراک کے سلسلہ سے کسی دوسری قوم کے دل میں اس مجرم قوم کی طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات بھڑکا کر اُس میں شجاعت و اولوالعزمی کے جذبات بھر دیتے ہیں۔ یہ قوم مردانہ وار مجرم قوم پر حملہ آور ہو جاتی ہے اور اُسے قتل و غارت کر کے اُس کے جرائم کا بھگتان کرا دیتی ہے۔ ظالم قوم ختم ہو جاتی ہے اور غالب قوم اُس کی جگہ لے لیتی ہے، جیسے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو آپریشن سے کاٹ ڈالتا ہے۔

وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم (القرآن الکریم)

"اور اگر تم نے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ تمہارے سوا ایسی قوم لائے گا جو تمہاری طرح نہیں ہوگی۔"

کبھی عضو ماؤف کی طرح مجرم قوم کے لئے بندھن تیار ہوتا ہے اور حملہ آور قوم کے ذریعہ سے اُسے غلامی اور اسیری کی قید و بند میں جکڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ ناپاک مادہ جو جرائم کو مدد پہونچا رہا تھا اس قوم میں سے سوختہ ہو جائے اور یہ رجوع کر کے اپنے اوپر مالک الملک کو رجوع کرنے اور توجہ فرمانے کا موقعہ دے اور اِس طرح اپنا کھویا ہوا اقتدار واپس لے سکے، جیسے ایک ہاتھ پر دوسرے ہاتھ سے جکڑ کر اور پٹی باندھ کر اُسے شل کر دیتے ہیں۔ اور اچھا ہو جانے کے بعد کھول دیتے ہیں، اور وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ جس کو بسلسلۂ احوال بنی اسرائیل فرمایا گیا:۔

عسیٰ ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا۔ (القرآن الکریم)

"عنقریب تمہارا پروردگار تم پر رحم کریگا۔ اور اگر تم پھر فساد کی طرف لوٹے تو ہم تمہاری سزا کی طرف لوٹیں گے (جیسے بخت نصر کے ذریعہ تمہیں غلامی اور اسیری کا مزہ چکھایا)"

پھر یہی چیز بسلسلۂ مشرکین مکہ فرمائی گئی:۔

وان تنتھوا فھو خیر لکم وان تعودوا نعد ولن تغنی عنکم فئتکم شیئاً ولو کثرت وان اللہ مع المؤمنین۔

"اور اگر تم (جھگڑے، فساد اور مقابلہ اہل ایمان سے) رک گئے تو تمہارا بھلا ہے اور اگر تم پھر (فساد کی طرف) لوٹے تو ہم بھی (تمہاری سزا اور شکست و ذلت کی طرف) لوٹیں گے۔"

(باقی باقی)

پانچویں قسط :-

# ایمان اور کُفر کا معیار

## قرآن و حدیث کی روشنی میں!

(مولٰنا خالد محمود ایم، اے)

خلاصہ کلام یہی ہے کہ اسلام کی ساری تعلیمات کے اقرار کے ساتھ اگر کوئی شخص کسی ایک ایسے امر کا بھی انکار کرے جس کا دین محمدی میں سے ہونا ضروری طور پر ثابت ہو چکا ہو تو وہ شخص قرآن و سنت کی نگاہ میں اور حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے قانونی فیصلوں کے مطابق دائرۂ اسلام سے خارج تصور ہوگا۔ خاتم المحدثین حضرت مولٰنا سید محمد انور شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں :-

"فمن جحد شیئاً واحداً من الضروریات فقد آمن ببعض الکتاب وکفر ببعضہ وھو من الکافرین وان رکض الی بلاد الصین وارو با للنشر ما یزعمہ دیناً ورآہ الجاھلون خدمۃ الاسلام"

(اکفار)

"پس جو کوئی شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک امر کا انکار کرے تو وہ قرآن پاک کے بعض امور کا اقرار اور بعض کا انکار کرنیوالا ہے اور شرعاً کفار میں داخل ہے خواہ چین اور یورپ تک اپنے مزعوم دین کی اشاعت کے لئے ایڑیاں رگڑتا پھرے اور جاہل لوگ اُسے اسلام کی خدمت سمجھتے رہیں۔"

### ضروریات اور قطعیات کی تفصیل

ضروریات دین سے مُراد وہ جملہ اُمور ہیں جن پر دین کی عمارت تعمیر ہوتی ہے اور بغیر اُن کے وضوح کے دین کا پُورا ڈھانچہ ہی مہمل اور ناقابلِ فہم رہتا ہے۔ پس جسے بھی کسی دین سے تعارف حاصل ہوگا اُسے لازمی طور پر اس دین کے اُن ضروری خدوخال کا بھی پتہ ہوگا، جن سے وہ دین معروف اور لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔ ان ضروریاتِ دین کا علم کسی طرح کے نظرِ و استدلال کا محتاج نہیں ہوتا۔ اور اس کے جاننے میں خواص و عوام برابر ہوتے ہیں۔ ان امور کی نقل اپنے بانی ملت تک قطعی الثبوت ہوتی ہے اور ان ضروریاتِ دین کے عنوان اپنے مفہوم میں اس قدر واضح، مکشوف المراد اور قطعی الدلالت ہوتے ہیں کہ ان کے معنی کی تعیین میں دلائل کے مطحی معارضہ کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

جس طرح کسی عمارت کا تصوّر آتے ہی اُس کی بُنیادوں، دیواروں، اور اُس کی چھتوں کا تصوّر ہوجانا لازمی ہے، کیونکہ ان اُمور کے بغیر عمارت کا تصوّر ہی محال ہے۔ اِسی طرح جب ہم کسی دین کا تصوّر کریں گے تو اس تصوّر کے ساتھ ہی ہمیں مندرجہ ذیل اُمور لازمی طور پر معلوم ہوں گے، اور ان کے بغیر اس تصوّر کا قیام ہی ناممکن ہوگا :-

(۱) اس دین کی بُنیاد کیا ہے؟ (۲) اس کا پیش کرنے والا کون ہے اور اس کی اپنی حیثیت اس دین میں کیا ہے؟ -
(۳) اس دین کی حدود کیا ہیں یعنی کس زمانے سے کس زمانہ تک کے لئے ہے۔ (۴) اس دین کی تعلیمات کیا ہیں؟ -
(۵) اس دین کی غایت کیا ہے؟ (۶) اس دین کے ماننے کی

کیا ضرورت ہے؟ (۷) اس کے ماننے یا نہ ماننے سے کیا نفع یا نقصان ہو سکتا ہے؟

اِن اُمور کی معرفت کے بغیر کسی دین کا اسمی تعارف تو ہو سکتا ہے لیکن اس عمارت کا پورا ڈھانچہ ہمارے سامنے صرف اِسی صورت میں آسکتا ہے کہ اس کے ان جملہ ضروری اُمور کا ہمیں علم حاصل ہو۔

اِس وقت چونکہ ہمارا موضوع جملہ ادیانِ عالم کے خدوخال کھینچنا اور اُن کی حدود متعین کرنا نہیں بلکہ صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اسلام کی عمارت کے تصوّر کے ساتھ جن بنیادی اُمور کا علم حاصل ہونا لازمی ہو وہ اسلام کی ضروریاتِ دین کہلاتی ہیں۔

اِن اُصول و قواعد کی روشنی میں جب ہم اسلام کا تصوّر کرتے ہیں تو اس تصوّر کے اجزائے ذہنیہ ان ہی متذکرۃ الصدر سوالات کی روشنی میں ضروریاتِ دین کو اس طرح متعین کرتے ہیں

(۱) دینِ اسلام کا سنگِ بنیاد توحید باری تعالیٰ ہے (یہ اقرار توحید ربّ العزّت عزّ اسمہٗ کے واجب الوجود، خالقِ کائنات، نقص و مادہ سے پاک اور اس کے علم حضوری کے جزئیات و کلیات پر حاوی ہونے کے اقرار کو مستلزم ہے)

۲۔ اس دین کے ہمارے سامنے پیش کرنے والے حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغامبر اور اس ذات تقدس کی طرف سے اُس کی مخلوق کے لئے مرضیاتِ الٰہیہ کا ایک واجب الاطاعت نمونہ ہیں۔

۳۔ اس دین کی حدود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر اختتامِ دُنیا تک ممتد ہیں، یعنی اب رہتی دُنیا تک حضور کا ہی عہدِ نبوت رہے گا۔ کبھی کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، اِس امر سے ختمِ نبوت پر ایمان ضروری ہو گیا۔

۴۔ اس دین کی تعلیمات علمی صورت میں قرآن پاک اور عملی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور سیرت میں پائی جاتی ہے۔ اس امر کی معرفت سے قرآن پاک کے تبدیل و تحریف سے محفوظ اور سنتِ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم اور واجب القبول ہونے کا علم حاصل ہوا۔

۵۔ اس دین کی غایت دُنیا و آخرت کے لئے صراطِ مستقیم پیش کرنا ہے۔ اس امر کی معرفت سے اسلام کے ایک کامل ضابطہ حیات اور قیامت تک کے ہر دور کے لئے اس کے ممکن العمل ہونے کا علم ضروری ہوا۔

(۵) اس دین کے ماننے کی ضرورت اس لئے ہے کہ مرنے کے بعد ہمیں اپنے عقائد و اعمال کا حساب دینا پڑیگا۔ اس امر کی معرفت سے قیامت کے دن اور حشر اجساد کا علم ضروری طور پر حاصل ہوا۔

۷۔ اس دین کے ماننے سے جزا اور نہ ماننے سے سزا ملے گی۔ اس امر سے جنّت اور دوزخ کا علم ضروری ہو گیا۔

پس اسلام کے تصوّر کے ساتھ ہی اس دین کی جن ضروریات کا تصوّر قائم ہونا لازمی ہو۔ اسلام پر ایمان اس کی ان جملہ ضروریاتِ دین پر ایمان کو مستلزم ہے یعنی اسلام کا تصوّر ہوتے ہی وحدانیت باری تعالیٰ، نبوتِ مصطفیٰ، ختم نبوت، قرآن پاک، پیغمبر کے معصوم اور واجب الاطاعت ہونے اسلام کے صراط مستقیم ہونے، قیامت، حساب و کتاب، حشر اجساد، اور جنّت، دوزخ وغیرہ کے تصوّرات کی اجتماعی کیفیت قائم ہو جاتی ہے اور اسے ہی اسلامی عقیدہ کہتے ہیں۔

یہ محال ہے کہ کہیں اسلام تو ہو، اور ان ضروریاتِ دین میں سے کوئی ایک امر مفقود ہو، کوئی مسلمان ہونے کا تو مدعی ہو لیکن اِن ضروریات میں سے کسی ایک پر ایمان نہ رکھتا ہو، حاشا و کلّا ثم حاشا و کلّا، ایسا ہونا بالکل ناممکن ہے۔ اِلّا یہ کہ کوئی دھوکا دینے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہا ہو۔

اِس کے بعد جو اُمور دین اسلام کا شعار سمجھے جاتے ہیں، یعنی اُن کے تعلیماتِ اسلام ہونے میں خواص و عوام کو برابر کی معرفت حاصل ہے مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج کی فرضیت قربانی، ختنہ اور اذان کی مشروعیت، اور شراب اور سود وغیرہ کی حرمت وہ سب اُمور بھی ضروریاتِ دین میں شامل قرار

پائے، کیوں کہ ان میں سے کسی ایک کا نہ ماننا بھی پیغمبر کی، تکذیب کو مستلزم ہے۔ جمع الجوامع میں ہے:۔

جاحد المجمع علیہ المعلوم من الدین بالضرورۃ کافر قطعاً۔ (جمع الجوامع)

"جن امور کا ضروری طور پر دین کی اجماعی تعلیم ہونا ثابت ہو چکا ہو اُن کا منکر قطعی طور پر کافر ہے۔"

اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

وھو ما یعرفہ الخواصُ والعوامُ من غیر قبولٍ للتشکیک فالتحق بالضروریات کوجوب الصلوۃ والصوم وحرمۃ الزنا والخمر لانّ جحدہ یستلزم تکذیب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (شرح جمع الجوامع ج ۲ ص ۱۳۰)

"ان امور سے مُراد وہ باتیں ہیں جنکا دین میں سے ہونا خواص و عوام میں بلا شک و شبہ معروف ہو چکا ہو لہٰذا یہ بھی ضروریات دین میں شامل ہیں جیسے نماز و روزہ کی فرضیت از نا اور شراب کی حُرمت، کیونکہ ان کا انکار پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کو مستلزم ہے۔"

**قطعیّات** قطعیات سے مُراد وہ جملہ اُمور ہیں جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہونا قطعی اور یقینی طریقہ سے ثابت ہو یعنی ان کا ثبوت حدِ تواتر اور استفاضۂ عام سے ہو چکا ہو۔ ان متواترات اور ضروریاتِ دین میں عموم و خصوص مطلق ہے یعنی جملہ ضروریاتِ دین متواترات اور قطعیات بھی ہیں۔ لیکن جملہ قطعیات کا ضروریات ہونا لازمی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ دین اسلام کے تصوّر کے ساتھ جن اُمور کا علم ضروری طور پر حاصل ہوتا ہے اور ان سے اسلام کی عمارت آنکھوں کے سامنے متعیّن ہو جاتی ہے، ان کے علاوہ بھی کچھ ایسے اُمور ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہیں۔ اوّل الذکر کو ضروریاتِ دین اور ثانی الذکر کو قطعیاتِ اسلام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

## ضروریات اور قطعیات کے احکام اور اطلاق میں فرق:۔

(۱) جمہور اشاعرہ کے نزدیک ہر وہ شخص جو ضروریات دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ محققین حنفیہ ان سے بھی زیادہ دقیق النظر اور عمیق الفکر ہیں۔ ان کے نزدیک ہر امر قطعی کا انکار بھی جو خواہ حدِ ضرورت کو نہ ہی پہنچا ہو کفر خالص ہے۔ صرّح بہ الشیخ ابن الہمام فی المسائرۃ بلکہ ضروریاتِ دین کے اطلاق میں اگر ذرا وسعت رکھی جائے تو پہلوئے انکار میں جملہ قطعیات بھی اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کرام جب کفر کا معیار اسے ٹھہراتے ہیں کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار عمل میں آجائے تو وہ ضروریات کی تعریف وہ کرتے ہیں جس میں جملہ قطعیات بھی شامل ہو جائیں خواہ وہ حدِ ضرورت کو پہنچی ہوں یا نہ۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں:۔

"المراد حصول العلم الضروری بثبوتہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاکون الثابت ضروریا وھذا العلم انما یحصل بالتواتر"

(فتح الملہم ج ۱ ص ۱۵۲)

"اس امر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضروری طور پر ثابت ہونا ہے نہ یہ کہ جو ثابت ہو وہ حدِ ضرورت کو پہنچا ہوا ہو، اور ایسا علم تواتر سے حاصل ہو جاتا ہے۔"

درِ مختار میں جہاں کفر شرعی کی یہ تعریف کی گئی تھی "تکذیبہ صلے اللہ علیہ وسلم فی شئٍ مما جاء بہ من الدین ضرورۃ" وہاں خاتمۃ المحققین حضرت علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:۔

ظاہر کلامہ تخصیص الکفر بجحد الضروری فقط مع ان الشرط عندنا ثبوتہ علی وجہ القطع وان لم یکن ضروریا بل قد یکون بما یکون استخفافاً من قولٍ او فعلٍ کما مرّ ولذا ذکر فی المسائرۃ ان ما ینفی الاستسلام او یوجب التکذیب فھو کفر فما ینفی الاستسلام کل ما

"صاحب درمختار کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ کفر صرف اسی صورت میں ہے، جبکہ انکار ضروریات میں سے کسی امر کا ہو۔ حالانکہ ہمارے نزدیک شرط یہ صرف یہ ہو کہ جس چیز کا انکار کیا جارہا ہے، وہ قطعی طور پر ثابت ہو اس کا ضروریات میں سے ہونا لازمی نہیں بلکہ بعض اوقات صرف استخفاف سے ہی کفر واقع ہو جاتا ہے، خواہ یہ دین کا استخفاف قول سے ہو یا عمل سے۔ اسی لئے مسائرہ میں

قد مناه عن الحنفية اى مما يدل على الاستخفاف وما ذكر قبلهٗ من قتل نبىٍّ اذ الاستخفاف فيه اظهر وما يوجب التكذيب جحد كل ما ثبت عن النبى صلى الله عليه وسلم ادعاؤه ضرورة واما مالم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت باجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الاكفار بجحده فانهم لم يشترطوا سوى القطع فى الثبوت ويجب حمله على ما اذا علم المنكر ثبوته قطعًا لان مناط التكفير وهو التكذيب او الاستخفاف عند ذلك يكون، اما اذا لم يعلم فلا الا ان يذكر لهٗ اهل العلم ذالك فيلج"

مذکور ہے کہ جو چیز بھی مان لینے کی نفی کرتی ہو یا تکذیب کو مستلزم ہو کفر ہے۔ جو امور ماننے کی نفی کرنے والے ہیں وہ پہلے آچکے ہیں اور جو چیز تکذیب کو مستلزم ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضروری طور پر ثابت ہونے والے اُمور میں سے کسی ایک کا انکار ہے اور جو اُمور حد ضرورت تک نہیں پہونچے جیسے کہ پوتی بھی بیٹی کے ساتھ چھٹے حصہ کی بالاتفاق وارث ہے تو حنفیہ کا ظاہر فیصلہ یہی ہے۔ اس کا انکار بھی کفر ہے کیونکہ ان کے ہاں شرط صرف یہی ہے کہ جس امر کا انکار کیا جا رہا ہے اس کا ثبوت قطعی ہو۔ پس درمختار کی عبارت کا محمل مشروط ہوگا۔"

(ردالمحتار)
جلد ۳
(ص ۳۹۲)

شفا میں ہے:-

"وكذالك يقطع بتكفير من كذب او انكر قاعدةً من قواعد الشريعة وما عُرف يقينًا بالنقل المتواتر من فعل الرسول صلى الله عليه وسلم ووقع الاجماع المتصل عليه كمن انكر وجوب الصلوٰة الخمس او عدد ركعاتها وسجداتها ويقول انما اوجب الله علينا فى كتابه الصلوٰة على الجملة وكونها خمسًا وعلى هٰذه الصفات والشروط لا اعلمه اذلم يرد به فى القرآن نص جلى والخبر عن الرسول صلى الله عليه وسلم به خبر واحد وكذالك من ادعى نبوة احد مع نبينا صلى الله عليه وسلم او بعده"

"اور اسی طرح وہ شخص بھی قطعی کافر ہے جو شریعت کی کسی بنیادی بات کو نہ مانتا ہو یا کسی ایسے امر کی تکذیب کرتا ہو، جو حضورؐ سے نقل متواتر کے ساتھ یقینی طور پر ثابت ہو اور اس پہ متصل اجماع چلا آرہا ہے۔ جیسے کہ وہ شخص جو پانچ نمازوں کی فرضیت یا فرض نمازوں کی رکعات و سجدات اور اُن کی صفات و شرائط کا منکر ہو، اور کہے کہ چوں کہ قرآن میں اس کے لئے واضح نص نہیں ہیں۔ اسے اسلام کی تعلیم نہیں جانتا اور اسی طرح وہ شخص بھی قطعی کافر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی دوسرے شخص کو نبی مانتا ہو۔"

(کمافی الاکفار)
(ص ۴۵)

پس مقصود کلام یہی ہے کہ کفر کا معیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی طور پر ثابت ہونے والے امور کا انکار ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ امر ضروریات میں ہی داخل ہو، اور نہ یہ ضروری ہے کہ ایسے تمام امور کا ہی انکار ہوگا تو تب ہی کفر متحقق ہوگا۔

۲- ضروریات دین اور قطعیات اسلام کے مابین پہلوئے انکار میں تو کوئی فرق نہیں، انکار دونوں میں سے خواہ کسی ایک کا ہو، کفر خالص ہے۔ لیکن جہل کے باب میں دونوں میں فرق ہے۔ ضروریات دین کا جہل بشرطیکہ کوئی "حدیث الاسلام" نہ ہو کفر ہے اور ان کے علاوہ دوسری قطعیات میں جہل موجب کفر نہیں۔ البتہ اطلاع پانے پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو اُس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کیوں کہ اب وہ جہل سے نکل کر جحود میں داخل ہو چکا ہے۔

"ان بعض المتواترات لا يكفر بجهلها نعم بجحودها بعد التعليم"

(كذا فى حاشيه جوهرة التوحيد ص ۱۵)

"بے شک بعض متواترات میں جہل ہو تو کفر نہیں ہے، ہاں اطلاع پانے پر اگر انکار کیا جائے تو بیشک کفر متحقق ہوگا۔"

| | |
|---|---|
| " والجهل بالضروريات فی باب المكفرات لايكون عذراً بخلاف غيرها فانه يكون عذراً على المفتى به" | " ضروریاتِ دین میں جہل کفر کی زد سے نہیں بچا سکتا۔ ہاں غیر ضروریات میں جہل کے عذر کو مفتی بہ فیصلے کے مطابق قبول کیا گیا ہے۔" |
| (شرح حموی صـ۲۶۷) | |

## ضروریاتِ دین اور قطعیات میں تاویل

جو اُمور ضروریاتِ دین میں داخل ہیں اُن میں تاویل ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اور اگر کوئی کرے تو اُس کا شرعًا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ کیونکہ ضروریاتِ دین جس طرح اپنے ثبوت میں قطعی اور یقینی ہوتی ہیں، اِسی طرح اپنے معنی میں بھی مکشوف المراد اور قطعی الدلالۃ ہوتی ہیں۔ پس ان میں تاویل کی گنجائش ہی نہیں ہوسکتی، باقی قطعیات کی اگر دلالت بھی قطعی ہو تو اس میں بھی تاویل کا اعتبار نہیں ہوگا، اور اگر دلالت ظنی ہو تو پھر اس میں تاویل ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کے معنی کی تعیین پر اجماع نہ منعقد ہوچکا ہو۔

اِن تمام تفصیلات کا ماحصل یہی ہے کہ جملہ ان امور پر جن کا تعلیماتِ محمدی ہونا قطع و یقین کے ساتھ ثابت ہے، ایمان لانا ہی ایمانِ شرعی ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی دائرۂ اسلام سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کر دیتا ہے۔

## شبہ اُولیٰ

اگر جملہ متواترات اسلام پر ایمان لانے سے ہی کوئی شخص مسلمان ہوسکتا ہے تو وہ عوام جن کو بہت سی متواترات اسلام کا علم ہی نہیں ہے اور نہ وہ اس کی ایک ایک جزئی کو سمجھ سکتے ہیں۔ کیا وہ مسلمان نہیں ہوں گے؟ اگر وہ مسلمان ہیں تو اسلام کی یہ تعریف غلط ہے، اور اگر وہ مسلمان نہیں تو معدودے علماء کو مستثنیٰ کرکے ساری دُنیا کو کافر ماننا پڑے گا۔

**جواب:** وہ مسلم عوام جن کو بہت سی متواتراتِ اسلام کا علم ہی نہیں وہ ان کے بارے میں درجہ جہل میں ہیں، نہ کہ درجہ جحود و انکار میں اور جو چیز کفر ہے وہ قطعیات کا انکار ہے نہ کہ جہل۔ پس وہ مسلمان ہوں گے اور مسلمان کی تعریف میں جو یہ کہا گیا ہے، کہ جملہ متواتراتِ اسلام پر ایمان رکھتا ہو وہ ایمان اجمالی طور پر ہے یعنی اسلام کی جملہ تعلیمات کو فی الجملہ سچ مانتا ہو نہ یہ کہ ایک ایک بات کا اُسے علم حاصل ہو۔ البتہ جن اُمور کے متعلق اسے پتہ چل جائے کہ اسلام کی تعلیمات اس باب میں یہ ہیں تو پھر ان تعلیمات کی اس سے تفصیلی ایمان کا مطالبہ ہوگا۔ اِس صورت میں اگر وہ اسلامی قطعیات میں سے کسی ایک کا بھی انکار کریگا تو دائرہ اسلام سے خارج تصوّر ہوگا۔

| | |
|---|---|
| فالتحقيق ان الايمان هو تصديق النبی صلى الله عليه وسلم بالقلب فی جميع ما علم بالضرورة مجيئه به من عند الله اجمالاً وانه كاف فی الخروج عن عهدة الايمان ولا ينحط درجته عن الايمان التفصيلی كذا فی شرح العقائد الا ان الاولى ان لوحظ اجمالاً وتفصيلاً ان لوحظ تفصيلاً فانه يشترط التفصيل فيما لوحظ تفصيلاً حتى لو لم يصدق بوجوب الصلوٰة و حرمة الخمر عند السوال كان كافراً ثم المراد من المعلوم ضرورة كونه من الدين بحيث يعلمه العامة من غير افتقار الى النظر والاستدلال كوحدة الصانع ووجوب الصلوٰة و حرمة الخمر ونحوها وانما قيد بها لان منكر الاجتهاديات لا يكفر اجماعاً۔ | " پس تحقیق یہی ہے کہ ایمان پیغمبر اسلام کو ان تمام اُمور میں دل سے سچا ماننا ہے جن کا آپ کی لائی ہوئی تعلیمات ہونا ضروری طور پر ثابت ہوچکا ہو۔ اور یہ ایمان اجمالی درجہ میں ہی کافی ہے جس سے مومن ہونے کی ذمہ داری پوری ہوجاتی ہے اور وہ داخل ایمان ہیں، ایمانِ تفصیلی سے بھی کم درجہ میں نہیں رہتا جیسا کہ شرح عقائد میں ہے مگر بہتر یہ تھا کہ یوں کہا جائے کہ اگر اجمال ملحوظ ہے تو اجمالی ایمان کافی ہے اور اگر تفصیلی ملحوظ ہے تو پھر تفصیلی ایمان ضروری ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر سوال کرنے پر وہ نماز کی فرضیت اور شراب کی حُرمت کا اقرار نہ کرے تو وہ کافر ہوگا۔ پھر ان امور کے دین میں سے ضروری طور پر ثابت ہونے سے مراد یہ ہے کہ تمام خواص و عوام اُن کو نظر و استدلال کے احتیاج کے بغیر جانتے ہوں جیسے کہ وحدانیت باریتعالیٰ فرضیت نماز، حرمت شراب وغیرہ اور اس قطعیت کی قید اس لئے ہے |
| (شرح فقہ اکبر صـ۱۵۳) | |

[illegible]

قسط ۱۴

# تذکرہ اُدبائے دار العلوم دیوبند

(محمد انوار الحسن انور شیرکوٹی پروفیسر اسلامیہ کالج لائل پور)

"پروفیسر انوار الحسن کے اس مضمون کی متعدد قسطیں اس سے پہلے رسالہ "دار العلوم" میں شائع ہو چکی ہیں اور ابھی یہ سلسلہ انشاء اللہ تعالےٰ چند دنوں اور بھی چلے گا۔ مضمون نگار نے بزرگان دار العلوم کے مختصر حالات کے ساتھ ان کے ذخیرۂ شعر و ادب پر اپنے اس مضمون میں تبصرہ کیا ہے۔ بزرگان دیوبند کے دینی، علمی، تصنیفی اور اصلاحی کارنامے نہ صرف مستغنی عن التعارف ہیں بلکہ آج پوری اسلامی دنیا میں عقیدہ و فکر کی صحت اور عمل و کردار کی بہتری کی شکل میں ان کے کارناموں کے آثار و نتائج، آفتاب نیم روز کی روشنی کی طرح پھیلے ہوئے ہیں، شعر و ادب کا شعبہ، ان حضرات کی مقصدی زندگی، دینی لائحہ عمل اور مصلحانہ شان سے بہت فروتر اور پست تر شعبہ رہا ہے، جس کی طرف پوری روانی طبع، قدرت کلام، مشقِ سخن، رفعت تخیل، اور رنگین بیانی کے باوجود انہوں نے توجہ نہیں فرمائی۔

بزرگانِ دیوبند کا جتنا ذخیرہ ادبی اس وقت موجود ہے اس میں تکلف و تعمق اور آورد و محنت کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا، بے تکلف زبان قلم پر جو کچھ آگیا، وہی صفحۂ قرطاس کی زینت بنتا چلا گیا۔ مضمون نگار نے ضرورت محسوس کی کہ ان کی شعری اور ادبی صلاحیتوں کا بھی جائزہ لیں اور ان کے اس تحقیقی جذبہ کا مظہر یہ مضمون ہے تاریخی ناانصافی ہوگی، اگر ہم اس مضمون کے آئینہ میں بزرگانِ دیوبند کو صرف ادیب و شاعر کی حیثیت میں دیکھیں اور اُن کے علمی اور دینی مقام کو فراموش کر دیں"۔ (مدیر)

## علمی مسائل میں ادب کا رنگ

اُوپر آبِ حیات کی عبارت میں جس علمی مسئلہ کو پیش کیا گیا ہے، اُس میں مولٰنا کی عجلت کو بہت کچھ دخل ہے۔ چنانچہ اِس امر کی دلیل میں کہ حضرت قاسم العلوم کے علمی مسائل میں بھی عبارت کی چستی و ربط اور اصطلاحی الفاظ کے علاوہ تمام عبارت میں تسلسل موجود ہے۔ حضرت قاسم العلومؒ کی معرکۃ الآراء تصنیف "تحذیر الناس" کی حسب ذیل اُردو نثر اہل ذوق کے غور و فکر کے لیے پیش کرتا ہوں۔ قاسم العلومؒ ختم نبوت کے عقیدہ کو پیش فرماتے ہیں، لکھتے ہیں:-

"تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے موصوف بالعرض کا وصف، موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے۔ موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہوتا ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا۔ مثال درکار ہو تو لیجئے۔ زمین و کہسار اور در و دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی۔ بایں ہمہ اگر یہ وصف آفتاب کا ذاتی نہیں تو جس کا تم کہو وہی موصوف بالذات ہوگا اور اس کا نور ذاتی ہوگا کسی اور سے مکتسب اور کسی اور کا فیض نہ ہوگا۔ الغرض یہ بات بدیہی ہے کہ موصوف بالذات سے آگے سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خُدا کے لئے کسی اور خدا کے نہ ہونے کی وجہ اگر ہے تو یہی ہے یعنی ممکنات کا وجود اور

کمالات وجود سب عرضی یعنی بالعرض ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کبھی موجود، کبھی معدوم، کبھی صاحب کمال اور کبھی بے کمال رہتے ہیں۔ اگر یہ امور مذکورہ ممکنات کے حق میں ذاتی ہوتے تو یہ اتصال اور انفصال نہ ہوا کرتا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمائیے یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور آپ کے سوا اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپ پر سلسلۂ نبوت مختتم ہو جاتا ہے۔ غرض جیسے آپ نبی اللہ ہیں ویسے نبی الانبیاء بھی ہیں اور یہی وجہ ہوئی کہ بشہادت وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ الخ اور انبیاء کرام علیہ وعلیہم السلام سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کے اتباع اور اقتدار کا عہد لیا گیا۔ اُدھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے۔"

(تحذیر الناس ص ۳)

ختم نبوت کے اس مضمون پر حضرت قاسم العلوم کی اُردو نثر کے تبصرہ کو میں بھی ختم کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت مولانا نانوتویؒ بقول حکیم الامت تھانویؒ "علم لدنی سے بہرہ یاب تھے"، ان کے دل و دماغ قدرتی علوم کے ایسے چشمے تھے جن سے برابر مختلف قسم کے علوم و فنون کے سوت اُبلتے رہتے تھے علوم اسلامی اور درس نظامی کے علاوہ دیگر فنون مثلاً ریاضی، اقلیدس، جر ثقیل وغیرہ میں مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ چنانچہ علم ادب اور فنون شاعری سے بھی آپ کو خاص مناسبت تھی۔

مولانا کی اُردو نثر پر جیسا کہ مجلۂ دار العلوم میں میرے شائع شدہ مقالہ کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو سکیگا ایک سیر حاصل تبصرہ کیا جا چکا ہے جس سے اُن کی ہر قسم کی سادہ، مقفیٰ، مشکل اور دقیق تحریروں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ وہ نثریں مولانا کی ادبی طبیعت کا اندازہ بتاتی ہیں۔ ان نثری قدروں کی روانی میں مولانا کی شاعرانہ طبیعت کا رنگ بھی مضمر نظر آتا ہے۔ غالباً آپ کو یہاں حیرت ہوگی کہ نثر سے کس طرح کسی کی شاعرانہ افتاد کا پتہ چل سکتا ہے مگر ذوقِ سلیم کسی نثر میں بیساختہ قافیوں کے ملتے چلے جانے سے شعری ذوق کا نشان لگا ہی لیتا ہے۔ جب سے راقم الحروف کو مولاناؒ کی تصنیفات کا مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے درانحالیکہ مجھے آپ کی شاعری کے متعلق کچھ معلومات حاصل نہ تھیں، میں یہ محسوس کرتا تھا کہ اس نثر کا لکھنے والا قلم شعر و شاعری کے موتی ضرور پروتا ہوگا۔ لیکن مجھے اس پر اصرار نہیں کہ ہر مقفیٰ عبارتیں لکھنے والا ناثر شاعر بھی ہوا کرے، بہرحال مولانا کی حسب ذیل اُردو نثر کے مقفیٰ ٹکڑے پیش کرتا ہوں جن سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے۔ تقریر دلپذیر میں لکھتے ہیں:-

"جب اس گرداب میں بہت چکر کھایا اور اس فکر نے خوب دیوانہ بنایا، غیب سے امداد ہوئی اور یہ بات خیال میں آئی، کہ خدائے کریم سے التجا کئے بغیر نہیں بنتی۔

الغرض سب طرف سے پھر پھرا کر اور چاروں طرف سے دھکے کھا کر خدائے کریم کی طرف رجوع کیا۔ دل ہی دل میں یہ عرض کرتا تھا کہ الٰہی بے تری امداد کے کام نہیں چلتا۔ اس بے کس کی تو تُو ہی دستگیری کریگا۔ کوئی ایسی سبیل کر جس سے میں گم گشتہ رستے سر لگوں؎

قطرۂ دانش کہ دادستی ز پیش
متصل گرداں بدریا ہائے خویش

سو قربان جائیے اپنے خدائے بے نیاز کے کہ مجھ سو ناکارہ کی دعا قبول فرمائی اور وہ بات سوجھائی کہ جس سے یہ گرہ کھلنے کو آئی۔"

(تقریر دلپذیر ص ۱۲۵ مطبوعہ قاسمی)

دیکھئے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی مذکورہ عبارت میں "چکر کھایا"۔ "دیوانہ بنایا"۔ "پھر پھرا کر"۔ "دھکے کھا کر"۔ "قبول فرمائی"۔ "بات سوجھائی"۔ "کھلنے کو آئی"۔ یہ تمام ٹکڑے طبیعت کی موزونیت واضح کر رہے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ مولانا کی شاعرانہ طبیعت کی سراغ رسانی مذکورہ عبارت کے چند ٹکڑوں سے ہوتی ہے جو نثر میں صاف بیساختہ مصرعے بن گئے ہیں مثلاً خط کشیدہ جملوں پر غور کیجئے۔ جو ہر ایک موزوں مصرعہ ہے یعنی :-

(۱) اور یہ بات خیال میں آئی۔
(۲) دل ہی دل میں یہ عرض کرتا تھا۔
(۳) کوئی ایسی سبیل کر جس سے۔
(۴) جس سے یہ گرہ کھلنے کو آئی۔

مولانا کی زبان قلم سے اس مختصر سی عبارت میں چار موزوں مصرعے نکلے ہیں جن سے مجھے ان کی طبعی شاعری کا یقین سا ہوگیا۔ اور یہ بھی کسی کے شاعرانہ ذوق کی دلیل کیا کم ہے کہ کوئی مقرر یا مضمون نگار اپنی خطابت یا انشاء میں برمحل اشعار چست کرتا نظر آئے۔ مولانا کی مذکورہ تحریر میں غالباً مثنوی کا یہ شعر ؎

قطرۂ دانش کہ دادستی زپیش
متصل گرداں بدریاہائے خویش

بجائے خود ان کے ذوقِ سخن پر شاہد ہے۔ اس شعر کے انتخاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ اس قطرۂ دانش کا ازرہ تشکر اظہار فرما رہے ہیں جس کی روشنی میں مولانا کا دل اور دماغ مضامین عالیہ کے جواہر تولتا اور موتی رولتا رہا ہے۔ "تقریر دلپذیر" جو مولانا کے جدید اجتہادی علم کلام کا شاہکار ہے اور "آب حیات" جو قاسم العلومؒ کے غیبی مضامین اسرار و حکمت کا انبار ہے اسی قطرۂ دانش کا نتیجہ ہیں۔ حضرت قاسم العلومؒ میں اقبال کی کہی ہوئی دانش نورانی اور دانش برہانی کے دو دھارے ساتھ ساتھ بہتے نظر آتے ہیں۔ جس کا اظہار ڈاکٹر اقبال نے اس شعر میں کیا ہے ؎

اک دانش نورانی ایک دانش برہانی
ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی "تقریر دلپذیر" میرے نزدیک دانش برہانی ہے مگر مولانا کی عقل سلیم فلسفی کی عقل سے جو حیرت کی فراوانی رکھتی ہو علیحدہ ہے۔ مگر "آب حیات" دانش نورانی کا ثمرہ ہے۔ یہ دونوں دانشیں اکتسابی نہیں بلکہ وہبی ہیں جو مولانا کو حاصل تھیں۔ اس دانش برہانی و نورانی کا مرکز انوار مَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ یعنی اللہ جس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے کہ وہ اس میں آکر سما جائے تو ایسا سینہ اپنے رب کی طرف سے روشنی کا لائٹ ہاؤس یا نور کا مینار بنجاتا ہے اور پھر اس سے حقیقت کے پردے آنکھوں سے اٹھتے نظر آتے ہیں۔ عجب نہیں کہ اقبال نے مثنوی کے اسی "قطرۂ دانش" والے شعر کے مصرع :-

"متصل گرداں بدریاہائے خویش"

سے یہ مضمون لیا ہو جو اس شعر میں پیش کیا گیا ہے ؎

تو ہے محیطِ بیکراں میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر

الحاصل مولانا محمد قاسم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے نثری انداز نے مجھے ان کی شاعری کا پتہ دیا۔ اور بالآخر مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی نوشتہ "سوانح قاسمی" کے مطالعہ کے وقت میری نظر سے یہ عبارت گذری :-

"جناب مولوی (محمد قاسم) صاحب لڑکپن سے ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز وسیع حوصلہ، جفاکش جری، چست و چالاک تھے۔ مکتب میں سب ساتھیوں سے ہمیشہ اول رہتے تھے۔ قرآن شریف بہت جلد ختم کرلیا۔ خط اس وقت سب سے اچھا تھا۔ نظم کا شوق اور حوصلہ تھا۔ اپنے کھیل اور بعض قصے نظم فرمائے اور لکھ لیتے۔" سوانح قاسمی ص۵ مطبوعہ مجتبائی)

اِس عبارت کے آخری جملے نے مولانا کے شاعر ہونے پر مہرِ فیصلہ ثبت کردی۔

## شاعری کی ابتداء

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی شاعری کی ابتدا کب سے ہوئی؟ اس کا ثبوت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی مذکورہ عبارت سے ملتا ہے کہ مولانا لڑکپن سے ہی فطری شاعر تھے اور جبکہ محلّے اور شہر کے بچّے اپنے شہری کھیل کھیلا کرتے تھے اور اُس وقت طفلی میں مولانا کے لئے اس کم سنی میں لہو ولعب معیوب نہ تھا مولانا اس وقت اپنے کھیلوں کو اور بعض قصوں کو نظم میں لکھ لیا کرتے تھے۔

عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کھیل کود کی باتیں اُس وقت کی ہیں جبکہ مولانا مکتب میں پڑھتے تھے۔ اگر زمانہ کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عمر اس وقت آٹھ نو سال کی ہوگی۔ کیوں کہ آپ ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے اور جب آپ حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی صدر مدرس دہلی کالج، اور حضرت الاحترم مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے ہمراہ برائے تحصیل علوم دہلی تشریف لے گئے ہیں تو وہ ذی الحجہ ۱۲۵۹ھ کے اواخر ایام ہیں، محرم ۱۲۶۰ھ میں پہنچکر مولانا نے علم نحو کی مشہور اور معرکۃ الآرا کتاب "کافیہ" سے اپنی تعلیم شروع فرمائی ہے۔ یہ تمام عرصہ گیارہ سال کا بمشکل بنتا ہے، اور گمان غالب یہ ہے کہ مولانا نے عربی تعلیم کے بعد کھیل کود کے میدان کو چھوڑ دیا ہوگا۔ اِس لئے مولانا کی شاعری کی ابتداء کا دور آٹھ نو سال کی عمر سے متعین کرنا غلط نہ ہوگا۔ اور یہ دور ہی مکتب کا دور ہے جبکہ آپ اپنے ہمعروں کے ساتھ کھیلنے میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ بہر حال اس کے لئے انکار کی گنجائش نہیں کہ مولانا دس سال کی عمر تک طبع آزمائی اور فکر سخن میں دلچسپی لینے لگے تھے۔ غالب کے متعلق تو گیارہ سال کی عمر میں شاعری کا آغاز مانا گیا ہے مگر قاسم العلوم اِس سے بھی آغاز میں سابق ہیں۔

## شاعری کا ماحول اور ابتدائی دور

فطری رجحانات انسان کی شاعری کے اصلی پس منظر ہوتے ہیں۔ شعر و سخن کی استعداد اندر ہی اندر شیرۂ انگور کی طرح قوام اختیار کرتی رہتی ہے اور جب کوئی خارجی محرک پیش آتا ہے تو شاعر کے جذبات کو ٹھیس لگا کر اس کو گنگنانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ جہاں تک میرا تحقیقی وجدان کام کرتا ہے مولانا کی شاعری کا ماحول آپ کے ننہال کے یہاں پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ والد صاحب تو ایک سیدھے سادھے خدا پرست آدمی تھے جن کو علم و فن سے کوئی خاص شغل نہ تھا البتہ مولانا کے نانا مولوی وجیہ الدین صاحب اُردو کے شاعر تھے۔ اور مولانا اکثر اپنے نانا کے یہاں بچپن میں قیام پذیر رہا کرتے تھے بچپن میں شاعری کا چسکا غالباً یہیں سے لگا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحب علیہ الرحمۃ سوانح قاسمی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> "مولوی صاحب کے نانا مولوی وجیہ الدین صاحب نانوتویؒ فارسی بہت عمدہ جانتے تھے، اُردو کے شاعر تھے اور کچھ کچھ عربی سے بھی آگاہ تھے۔ بڑے تجربہ کار اور پُرانے آدمی تھے ہنگام آمدن حکومت انگریزی سہارنپور میں وکیل ہوئے اور نہایت عزت و احترام اور تمول سے گذران کی نہایت طباع اور خوش فہم تھے"
>
> (سوانح قاسمی صك)

اِس عبارت میں مولانا کے نانا کی اُردو شاعری سے دلچسپی اور مادۂ شعر و سخن نیز طباعی و خوش فہمی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہیں سے مولانا کی شاعری کے ڈانڈے ملتے نظر آتے ہیں۔

اس کم سنی میں نہ صرف یہ کہ آپ نے شاعری میں ابتدائی قدم رکھا بلکہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے اِس جملے سے کہ "اپنے کھیل اور بعض قصے نظم فرماتے"، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو اپنے بچپن کے زمانے میں شعر و سخن پر قدرت سی ہوگئی تھی، کیونکہ کھیلوں اور قصوں کا نظم میں ڈھالنا قدرت سخن سے خالی نہیں۔ لیکن افسوس ہے تو یہ کہ آپ کی بچپن کی شاعری کا نمونہ دستیاب ہونا ناممکن ہے۔

کاش کہ معصر سوانح نگار مولانا محمد یعقوب صاحب کچھ قوتِ حافظہ سے کام لے کر کوئی نمونہ پیش فرماتے تو خلف کے لئے نقد و نظر کا سامان فراہم ہوتا۔

## فضائے دھلی کے اثرات

بارہ سال کی ابتداء سے مولانا دھلی کی اس سرزمین پر قیام پذیر ہیں جہاں کے ذرّے ذرّے میں شعر و شاعری کا ہنگامہ گرم رہتا ہے۔ یہ دور غالب، ذوق اور مومن ایسے اہلِ کمال کا دور ہے قلعۂ معلّی میں شعر و سخن کا چرچا رہتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر خود خوشگو شاعر ہے۔ شہزادوں کو بھی فکرِ سخن حاصل ہے۔ قلعہ کے اندر اور باہر شہر میں مشاعرے منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ خود مولانا مملوک علی صاحب مرحوم کو جن کی سرپرستی میں مولانا تعلیم حاصل فرمارہے تھے بلکہ مولانا ان کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، شعر و سخن پر قدرت حاصل تھی۔ وہ درباری مشاعروں میں شرکت فرماتے رہتے تھے۔ مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ کو دہلی میں محرم ۱۲۶۰ ہجری تقریباً مطابق ۱۸۴۴ء سے ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۸ء تک مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی کی زیرِ سرپرستی پاس رہنے اور علوم حاصل کرنے کا موقع ملا ہے، اس لئے شفیق، رشتہ دار، شاعر و ادیب ہموطن استاد کے فیضِ صحبت نے بھی مولانا کے شاعرانہ جذبات کو ہوا دینے میں حصہ لیا ہوگا۔ اس پر طرّہ یہ کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے ایک اور استاد مفتی صدر الدین بھی تھے جو غالب کے معاصر تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے شعراء اور اہلِ ادب کے نہ صرف قدر داں تھے بلکہ ادب کے اچھے نقادوں میں سے تھے۔ اور اپنے عہد کے بہترین شعراء میں سے شمار کئے جاتے تھے۔ آزردہ تخلص فرماتے تھے۔ مولانا نے آزردہ سے ادب کی کتابیں پڑھی تھیں۔ علاوہ ازیں مولانا کے پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اردو فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے جن کے حالاتِ شاعری سے راقم الحروف نے تذکرہ ادبائے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی ہے۔ کہا جاسکتا ہو کہ مولانا کی شاعری کو حضرت حاجی صاحبؒ کے اثرات نے بھی تائید و تقویت بخشی ہو اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی زندگی پر سب سے زیادہ حاجی صاحبؒ ہی کا اثر رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ حریتِ آزادی میں مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ حضرت حاجی صاحبؒ کے شریکِ جہاد رہے ہیں۔

## تجزیہ

ان سب مذکورہ اثرات پر قیاس آرائی کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مولانا فطری شاعر تھے، اور اگر ابتدائی رنگ مولانا پر شعر و شاعری کا ہوا ہوگا تو وہ ان کے نانا مرحوم مولوی وجیہ الدین صاحب کا ہوگا۔ باقی اساتذہ اور شیوخ کے اثرات مولانا کی شاعری میں ترقی کا سبب ہوئے ہونگے۔

(باقی آئندہ)

# "تاریخی حقائق"

## (عہدِ فاروقی)

(مولانا محمد ظفیر الدین دار العلوم معینیہ سانحہ ضلع مونگیر)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ محسوس کیا کہ دُنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آچکا ہے، تو خلافت کی فکر ہوئی کہ اس مسئلہ کو اگر زندگی میں حل نہ کر دیا گیا، تو ممکن ہے کوئی اختلاف اُٹھ کھڑا ہو، غور و فکر کے بعد آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام خلیفہ کے لئے منتخب کیا۔ پھر اس مسئلہ میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا، متفقہ طور پر یہ بات جب طے پاگئی، تو آپ نے عہد نامہ خلافت لکھوایا، اور مجمع عام میں پیش کیا اور سب سے پوچھا کہ تم نے پسند کیا، سبھوں نے اپنی مسرت کا اظہار کیا، عہد نامہ کا خلاصہ یہ تھا:-

> "یہ عہد نامہ ابوبکر خلیفہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر آخرت کے وقت کا ہے، یہ وہ نازک وقت ہے کہ کافر بھی ایمان لے آتا ہے، اور گنہگار بھی خدا پر یقین کرنے لگتا ہے۔ میں عمر بن خطاب کو تمہارا حاکم مقرر کرتا ہوں، اس تقرر میں تمہاری بھلائی کو میں نے پوری طرح ملحوظ رکھا ہے، اگر وہ حق پر قائم رہے اور عدل سے کام لیا تو مجھے ان سے یہی اُمید ہے، لیکن اگر انہوں نے ظلم کیا اور راہِ حق سے ہٹ گئے، تو مجھے غیب کا کیا علم میرا ارادہ تو مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کا ہی ہے اور ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔"[1]

عہد نامہ میں جو سوز و گداز ہے، اس پر بار بار غور کیجئے۔ اس میں کوئی شائبہ دُنیا پرستی کا معلوم ہوتا ہے؟ خلافت اپنے کسی رشتہ دار اور بھائی بیٹے کو نہیں سونپی جا رہی ہے، بلکہ اُس کے کندھوں پر یہ بار خلافت ڈالا جا رہا ہے، جو پُوری جماعت اور قوم میں خلافت کا واقعی اہل ہے۔

فاروق اعظمؓ کے ایک سپاہی کو دیکھئے وعدہ کا کتنا سچا ہے چاپان نامی ایرانی سپہ سالار گرفتار ہو جاتا ہے، مگر سپاہی پہچان نہیں پاتا، چاپان کہتا ہے میں ایک بوڑھا سپاہی ہوں، مجھے پکڑ کر کیا کروگے، تم مجھے چھوڑ دو، تمہیں معقول معاوضہ دوں گا، مسلمان سپاہی منظور کر لیتا ہے۔ چاپان کہتا ہے اس معاملہ کو اپنے سردار سے بھی طے کرا دو، سردار لشکر اسلامی حضرت ابوعبید ثقفیؓ کی خدمت میں دونوں حاضر ہوتے ہیں، چاپان پہچان لیا جاتا ہے، لوگ کہتے ہیں چاپان نے سپاہی کو دھوکا دیا، لہذا یہ معاملہ منسوخ کیا جائے۔ مگر حضرت ابوعبیدؓ فرماتے ہیں:-

> "یہ نہیں ہو سکتا، جب ایک مسلمان نے امان دیدی، تو ساری قوم کو اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے، اسلام میں وعدہ خلافی کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ چاپان چھوڑ دیا گیا۔"[2]

آجکل کے سیاست داں کیا فرمائیں گے؟ یہی نا کہ ابوعبیدؓ نے بے وقوفی کی، وہ سیاسی دماغ نہیں رکھتے تھے، جدید تعلیم یافتہ اس واقعہ کو پڑھ کر آگ بگولا ہو جائیں گے، اور غصہ میں چیخ اٹھیں گے اس "مولویت" سے کام نہیں چل سکتا۔

حضرت ابوعبیدہؓ کا ایک واقعہ اور سن لیجئے۔ ایک مقام پر مسلمانوں کو فتح ہوئی، آس پاس کے علاقہ کے رئیس حاضر خدمت

---

[1] تاریخ ملت صفحہ ۹۷ جلد ۲ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۰۸ ج ۲ ۔

ہوئے، اور اظہارِ خلوص کے لئے یہ اپنے ساتھ عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر ساتھ لائے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے پوچھا، یہ کھانا ساری فوج کے لئے ہے یا صرف میرے لئے؟ رئیسوں نے جواب دیا۔

"جلدی میں ساری فوج کے لئے ایسا انتظام مشکل تھا، صرف آپ کے لئے آیا ہے۔" حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب دیا:۔

"جو گروہ خون بہانے میں ابو عبیدہ کا شریک ہے، کھانوں کا لطف اٹھانے میں وہ اُس سے جُدا نہیں ہو سکتا، ابو عبیدہ وہی کھائے گا جو ایک معمولی سپاہی کھائے گا۔"[1]

فرمائیے اب یہ جذبہ مسلمانوں میں باقی رہا؟ اب تو اپنا پیٹ بھرنا چاہئے کیا لیڈرانِ کرام کھاتے وقت اپنے رضاکاروں کو تلاش کرتے ہیں؟۔

فاروق اعظمؓ کا عہدِ خلافت ہے، حضرت سعدؓ سپہ سالار ہیں، دربارِ خلافت سے فرمان آیا، پہلے کسریٰ کے دربار میں چند معزز و فہیم مسلمانوں کو سفیر کی حیثیت سے بھیجو، اور اسلامی قاعدہ کے مطابق صلح کے لئے شرائط پیش کرو، حسب الحکم سفیر بھیجے گئے، جس وقت یہ مسلمان سفیر بے باکی سے شہنشاہِ ایران کے دربار میں حاضر ہوئے، سارے درباری سہم گئے، اور خود شہنشاہ بھی ان کی جرأت پر حیران رہ گیا۔

حاضری کے بعد یزدگرد نے پوچھا، "ہمارے مُلک میں تم کیوں آئے ہو؟" رئیسِ وفد نعمان بن مقرنؓ نے ایک تقریر کی، جس میں اسلام کی حقیقت بیان کی، اور اخیر میں اپنا مقصد پیش کرتے ہوئے بیان کیا:۔

> "اے عمائدِ ایران! ہم تمہیں اسی مقدس دین کی طرف بُلاتے ہیں، اگر تم یہ بلاوا قبول کرتے ہو، تو کیا کہنے ہمیں تم سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم کتابؔ تمہارے حوالہ کر دینگے، وہی تمہاری رہنما ہوگی، اور اسکے احکام کی پیروی تمہارا فرض ہوگا، لیکن اگر تمہیں اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار ہے، تو پھر تمہیں جزیہ ادا کرکے اسلام کے اقتدار کو قبول کرنا پڑے گا، اور وعدہ کرنا ہوگا کہ تمہاری سلطنت میں ظلم نہ ہوگا، اور بدکاری سر نہ اٹھائیگی اور اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں تو پھر تلوار تمہارے اور ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی۔"[2]

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ کی عملی تفسیر اس سے عمدہ اور کیا ہو سکتی ہے؟ انسان کے اعمال میں بالعموم دو پاکیاں ہوتی ہیں، ایک باطن اور رُوح کی، اور دوسرے ظاہر اعمال کی، جن سے دوسرے انسانوں پر ظلم و جور کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں، انسانیت کی مٹی پلید کی جاتی ہے تلوار انہیں چیزوں کے مٹانے کے لئے اُٹھانے کی اجازت ہے۔

"جنگِ قادسیہ" ہی کے موقع پر آخری مرتبہ مغیرہ بن شعبہؓ سفیر بنکر رُستم کی فرودگاہ میں گئے، رستم نے اسلامی سفیر کو مرعوب کرنے کے لئے طریقہ یہ اختیار کیا کہ "حریر و دیبا کے بیش قیمت فرش زمین پر بچھائے گئے، زرنگار پردے دیواروں پر لٹکائے گئے، بیچ دربار میں ایک سونے کے تخت پر جواہرات کا تاج سر پر رکھ کر رستم بڑی شان سے بیٹھا، اِدھر اُدھر درباری سونے کے مرصع تاج اوڑھے اپنے اپنے مرتبے کے مطابق بٹھائے گئے اور خدام اور پہریدار دو رویہ پرے جمائے ادب سے کھڑے کر دیئے گئے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے سے اُترے اور سیدھے تخت کی طرف بڑھے اور بے باکی سے رستم کے پاس جاکر بیٹھ گئے، حضرت مغیرہؓ کی اس جرأت پر سارا دربار حیران رہ گیا، بالآخر ایک پہرہ دار بڑھا اور اس نے حضرت مغیرہؓ اسلامی سفیر کو تخت سے اُتار دیا، یہ دیکھکر حضرت مغیرہؓ کو تعجب ہوا، اور اُنہوں نے برجستہ کہا:۔

> "اے سردارانِ ایران! ہم تو تم کو عقل مند سمجھتے تھے لیکن تم بڑے بے وقوف نکلے، ہم مسلمان بندوں کو خدا نہیں بناتے، اور کمزور انسانوں پر طاقتور لوگوں کی آقائی کے قائل نہیں، ہمارا خیال تھا، کہ تمہارے ہاں بھی یہی دستور ہوگا، بہتر یہ تھا کہ تم ہمیں پہلے ہی بتا دیتے کہ تمہارے یہاں کمزور طاقتور کی پرستش کرتے ہیں، اور انھیں دیوتا بنا کر اونچی جگہ بٹھاتے ہیں، انسانی مساوات کا

[1] تاریخ ملت ص۱۰۹ ج۲۔ [2] ایضاً ص۱۱۸

اُصول تمہیں تسلیم نہیں، اگر یہ بات مجھے پہلے معلوم
ہو جاتی، تو میں ہرگز تمہارے دربار میں نہ آتا، خیر اب تو
میں آگیا، لیکن تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ سلطنت قائم
رہنے کے یہ ڈھنگ نہیں، زیردستوں کی بے قراری
تمہارے اقتدار کی بساط اُلٹ دے گی[1]

آج [illegible] سال بعد کیا کوئی اشتراکی لیڈر، اس سے عمدہ تقریر کر سکتا ہے؟ اور کوئی کمیونسٹ کہہ سکتا ہے کہ عدل و مساوات پر اس سے زیادہ زوردار کوئی اور بیان ہو سکتا ہے؟ دُنیا سوچے کہ کیا عوام یہی نہیں چاہتے جس کی ترجمانی ۱۳ سو سال پہلے فاروق اعظمؓ کے ایک سپاہی نے کی تھی، مسلمان بھی اسے عبرت و بصیرت کی نظر سے پڑھیں، جو مرعوب ہو کر حق گوئی سے رُک جاتے ہیں، ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور اسلامی تعلیم کو دُنیا کے سامنے پیش نہیں کرتے ـــــ ایرانی لوگوں نے حضرت مغیرہؓ کی اس تقریر کو سُنکر اعتراف کیا تھا:۔

"خدا کی قسم اس عربی نے بات تو سچی کہی"

اس جنگ قادسیہ کی حضرت عمر فاروقؓ کو بڑی فکر تھی، روز علی الصبح مدینہ کے باہر آ بیٹھتے اور قاصد کی راہ دیکھتے، ایک دن حسب معمول اسی انتظار میں بیٹھے تھے، کہ ایک شتر سوار سامنے سے آتا نظر آیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا، "کہاں سے آتے ہو؟" اُس نے جواب دیا، "قادسیہ سے"، حضرت عمرؓ ساتھ ہو گئے،

"اور پوچھا اے بندۂ خدا! کچھ مجھے بھی تو بتاؤ وہاں کیا ہوا؟"
قاصد نے کہا، اللہ نے دشمن کو شکست دی، قاصد شہر
کی طرف دوڑتا چلا جا رہا تھا اور حضرت عمرؓ پیچھے پیچھے دوڑتے
آرہے تھے، اور اُس سے فتح کے حالات پوچھتے جارہے تھے،
جب دونوں شہر میں داخل ہوئے، ـــ اب قاصد
کو معلوم ہوا کہ رکاب کے ساتھ دوڑنے والے خود خلیفۃ المسلمین
ہیں، خوف کے مارے کانپ اُٹھا، اور کہنے لگا:۔
امیر المومنین! آپ نے اپنا نام مجھے کیوں نہ بتادیا؟ آپ نے
بے پروائی سے جواب دیا، کچھ حرج نہیں، تم حالات
سُنائے جاؤ[2]

یہ تھی خلیفۃ المسلمین کی سادگی، کوئی ایسی مثال اس زمانہ میں پیش کر سکتا ہے؟ کیا کسی اشتراکی مُلک کا صدر مملکت بھی ایسی سادہ زندگی گذارنے پر راضی ہوگا؟ میں عدل و مساوات کے داعیوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ خلفائے راشدین کے حالات پڑھیں۔

ایران فتح ہو گیا اور تین کروڑ کی غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی، پہلے دن فتح کی دربارِ خلافت میں خوش خبری آئی، اور دوسرے دن صحن مسجد میں مال غنیمت کا انبار لگ گیا جو تقسیم کیا گیا، مگر اس دولت کے انبار کو دیکھکر امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ رونے لگے، ایک شخص نے پوچھا، حضرت! یہ رونے کا کیا موقع ہے؟ آپ نے ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا:۔

"جس قوم میں دولت آتی ہے، رشک و حسد بھی ساتھ
آتا ہے، اور رشک و حسد کے بعد رعب و دبدبہ باقی نہیں
رہتا[3]"

کون ہے جو اس قول کی صداقت سے انکار کرے، دُنیا دولت کے انبار دیکھکر خوش ہوتی ہے، اور خلیفۃ المسلمین اسی دولت کو دیکھکر آنسو بہاتا ہے، سوچو تو سہی، سچی خدمت قوم اور مُلک کی کون انجام دے سکتا ہے، دولت پرست، یا دولت سے بے پروا، اخلاق و اعمال کی پاکیزگی کا خواہاں۔ یا صرف مُلک کو سونے سے ڈھکنے کا خواہش مند۔

ایک مقام فتح ہوا، تو حضرت عمرؓ نے اس کی برابر خبر گیری کی کہ مسلمان کہیں ذمیوں پر زیادتی نہ کریں، وفد کے ذریعہ سے اسکی خبر لیتے رہے، اور پھر وہاں کے سردار عتبہ کو لکھا:۔

"مسلمانوں کو ظلم سے دُور رکھو، اور ذمیوں کے معاملہ
میں خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ تمہاری طرف سے کوئی
زیادتی ہو، اور اس کی وجہ سے اہل ذمہ زیادتی کر بیٹھیں
تمھیں جو کچھ اللہ تعالے نے دیا ہے، وفائے عہد کی وجہ
سے دیا ہے، لہٰذا وفاء عہد کا ہمیشہ خیال رکھو، اور

[1] تاریخ ملت ص۱۳۱ ج ۲۶ ۔ [2] تاریخ ملت ص۱۴۰ ج ۲۶ [3] ایضاً ص۱۴۱ ج ۲۶

اہل ذمہ کے ساتھ حسن سلوک میں خدا کے حکموں پر چلو، اگر تم نے ایسا کیا تو خدا تمہارا مددگار و ناصر ہوگا"[1]

کیا اس کے بعد بھی کہا جائے گا کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلم کی عزت نہیں، یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ ذمی مسلم حکومت میں خدا کی امانت ہوتے ہیں۔ جس امانت کی حفاظت مسلمان حکمراں کا فریضہ ہے، اس فریضہ میں کوتاہی اور سستی باعث خسران اور بربادی ہے۔

شاہ اہواز ہرمزان نے اپنے کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا اور کہا، اپنے خلیفہ کے پاس مجھے لے چلو، اُن کا فیصلہ مجھے منظور ہوگا، چنانچہ یہی ہوا، ہرمزان شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا، اسلامی وفد ہرمزان کو لیکر مسجد نبوی میں پہنچا تو حضرت عمرؓ سو رہے تھے۔

"سونے کی شان یہ تھی کہ فرش خاک کا بستر تھا اور ہاتھ میں چمڑے کا درہ تھا، ہرمزان نے پوچھا، کہ خلیفۃ المسلمین کہاں ہیں؟" لوگوں نے اشارہ سے بتایا "یہ ہیں" ہرمزان نے تعجب سے پوچھا "اِن کے نقیب اور چوبدار نہیں ہیں"؟ لوگوں نے جواب دیا "حضرت عمرؓ کو اس کی ضرورت نہیں"۔ ہرمزان نے کہا "اِس سادگی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ نہیں، نبی ہیں، لوگوں نے جواب دیا" نبی تو نہیں لیکن نبی کے جانشین اور اُس کے سچے پیرو ضرور ہیں"[2]

کہاں ہیں کمیونزم کے ماننے والے، آئیں، یہ منظر دیکھیں، اور اپنے صدر کو دیکھیں، کیا فاروق اعظمؓ کی اس سادگی سے بڑھ کر کوئی اور سادگی ممکن بھی ہے، دُنیا میں جو لوگ عدل و مساوات کا پرچار کرتے ہیں، وہ اسلامی حکومت اور خلفائے راشدین کا مُطالعہ کریں۔

مسلمان حکمراں اس واقعہ کو پڑھیں اور سوچیں، وہ کیا کر رہے ہیں، اپنے اسلاف کی روش پر کیا ان کا کوئی عمل باقی ہے؟ موجودہ مسلمان حکمرانو! تم کو خدا کے حضور میں جانا ہے، سوچو تم اپنے عمل سے اسلامی تعلیمات کو کس قدر بدنام کر رہے ہو؟ کل قیامت میں حشر کے اندر کیا مُنہ دکھاؤ گے، تم اپنے آرام کے لئے دشمنوں کو پُورا ملک ٹھیکہ دیتے رہتے ہو، اور مسلمانوں اور مُلک کے بسنے والوں کو رُوحانی اور جسمانی اذیت دیتے ہو۔ جاگو جاگو۔ ورنہ دُنیا بھی تم کو معاف نہ کرے گی۔

ایک دفعہ ایک موقع پر عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہؓ نے ایک شخص کو ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"قسم ہے خدائے پاک کی، میرے ساتھ وہ جماعت ہے، کہ اگر اسے امیر کا حکم ملے، تو سد سکندری تک پہونچ جائے"

اِس پر اس نے پھر سوال کیا اور تعجب سے پوچھا وہ جماعت کون سی ہے؟ عبدالرحمٰن نے جواب دیا:۔

وہ وہ جماعت ہے جس نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے، اور خلوص نیت کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہوئی ہے، جاں سپاری و فداکاری کا یہ جذبہ اُن میں اُسوقت تک باقی رہے گا، جب تک دوسری قومیں اُن پر غلبہ پاکر ان کی ذہنیت کو بدل نہ دیں"[3]

حضرت عبدالرحمٰن نے جو بات کہی تھی، وہ کتنی دُرست تھی مسلمان اِسی جذبۂ ایثار کو تلاش کریں، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، کا طُرۂ امتیاز تھا، اور اسی نقش قدم پر چلنے کی سعی کریں، جو وہ چھوڑ گئے

ایران ہی کے ایک علاقہ میں اسلامی لشکر مصروف جہاد تھا، کردوں کی مدد لے کر دشمنوں نے مسلمانوں پر زبردست حملہ کر دیا، لڑائی کے موقع پر حضرت ساریہؓ ایک دفعہ دُشمنوں کے نرغہ میں گھر گئے، اسی پریشانی کے عالم میں حضرت عمرؓ کی یہ آواز انہوں نے سُنی کہ فرما رہے ہیں:۔

[1] تاریخ ملت صفحہ ۱۴۰ ج ۲۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۴۳ ج ۲۔

[3] تاریخ ملت صفحہ ۱۵۴ جلد ۲۔

"اے ساریہ پہاڑ کی پناہ لو، پہاڑ کی پناہ لو"

حضرت ساریہؓ نے یہی کیا اور فوج کو ہٹا کر پہاڑ کے دامن میں چلے گئے، اور دامن کوہ میں مورچہ بنا کر جنگ کی، اور کامیاب ہوئے۔

"اس فتح کی بشارت لے کر قاصد جب مدینہ پہونچا، تو مدینہ والوں نے پوچھا" کہ فلاں روز فلاں وقت خلیفۃ المسلمین خطبہ دے رہے تھے کہ یکایک چیخ پڑے "یا ساریۃ الجبل الجبل" اور فرمایا کہ "خدا کی بیشمار مخلوق ہے" شاید کوئی یہ آواز ساریہ تک پہونچا دے" کیا تم نے وہ آواز سنی تھی؟ قاصد نے کہا، اسی آواز پر تو ساریہؓ اپنی فوج کو ہٹا کر پہاڑ کے دامن میں لے گئے، اور فتح پائی"[1]

مسلمانو! غور کرو، ہمارے اسلاف نے دنیا میں کیا کچھ نہیں کیا، سیکڑوں ہزاروں میل کی دوری پر فاروق اعظمؓ کی آنکھوں نے کیسے دیکھا؟ اور پھر ان کی آواز کیونکر وہاں پہنچی سچ ہے جو خدا کا ہوگیا، خدا کی ساری فوج اس کے لئے ہوگئی۔

حضرت خالد بن الولیدؓ کو فاروق اعظمؓ نے خلافت کی مسند پر بیٹھتے ہی سپہ سالاری سے علیحدہ کر دیا تھا، مگر ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، برابر داد شجاعت دیتے رہے۔ فلسطین کے علاقہ میں قنسرین فتح ہوا، اور اس وقت ان کو حضرت خالد کے کارناموں کی اطلاع ملی، تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا:۔

"خالد بن الولیدؓ نے اپنے کارناموں سے خود اپنے آپکو سپہ سالار بنالیا ہے، خدا ابوبکرؓ پر رحمت بیکراں نازل کرے، وہ مجھسے زیادہ مردم شناس تھے، کہ انہوں نے خالد کو ان کے صحیح مرتبہ پر سرفراز کر دیا تھا، میں نے خالدؓ کو اس مرتبہ سے معزول کیا، تو ان کی کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں، بلکہ مجھے خوف ہوا، کہ کہیں مسلمان ان کی شخصیت پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں، اور اسلامی فتوحات کو ان کی جنگی مہارت پر محمول نہ کریں"[2]

ہمارے اسلاف کا ایمان کتنا پختہ تھا، جو کچھ حاصل ہوتا خدا کی دین سمجھتے تھے، اپنی طاقت اور ہوشیاری کا نتیجہ نہیں خیال کرتے تھے، اور جو کچھ کرتے اخلاص کی بنیاد پر کرتے، اعترافِ حق ان کی گھٹی میں تھا، رضی اللہ عنہم۔

قیصر روم شام سے بصد حسرت رخصت ہو کر جب قسطنطنیہ پہنچا تو وہاں ایک رومی مسلمانوں کی قید سے بھاگ کر آیا، قیصر نے اس سے مسلمانوں کے حالات پوچھے، اس نے بیان کیا:۔

"اے بادشاہ! وہ لوگ دن کو شہسوار ہیں، اور رات کو عابد شب زندہ دار، وہ اپنے مفتوحین کا مال بے قیمت ادا کئے استعمال نہیں کرتے، اور جس ملک میں داخل ہوتے ہیں، امن وسلامتی کی برکتیں اپنے ساتھ لاتے ہیں لیکن جو قوم ان کا مقابلہ کرے، اسے اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک وہ ہتھیار نہ ڈال دے"[3]

ایک دشمن کی شہادت ہے، اور کہاں؟ پیٹھ پیچھے اپنے گھر، اور اپنے لوگوں میں، اس شہادت سے بڑھ کر کوئی اور شہادت کیا ہوسکتی ہے؟ اس شہادت کی روشنی میں مسلمانوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے، کہ وہ کیا ہیں؟

مسلمان بھی اس واقعہ کو پڑھیں اور سوچیں، اسلاف کی یہ خوبیاں ان میں باقی ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ افسوس مسلمان اپنے مقام سے بہت دور جا پڑے ہیں، ان کو خبر نہیں کہ وہ کیا ہیں؟

بے خبر تو جوھر آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

اس شہادت کو سنکر قیصر نے کہا تھا۔

"اگر مسلمان ایسے ہی ہیں، تو وہ میرے قدموں تلے کی زمین بھی فتح کرلیں گے"[4]

مسلمان اسلاف کا قلب جگر پیدا کرلیں اور پھر دیکھیں ساری دنیا یہی الفاظ پھر دوہراتی ہے یا نہیں۔

---

[1] تاریخ ملت صد ۱۵۶ ج ۲۔
[2] تاریخ ملت صد ۱۶۴ ج ۲، [3] ایضاً صد ۱۶۵ ج ۲، [4] ایضاً۔

حضرت عمرؓ بیت المقدس میں داخل ہوئے اور عیسائیوں کے مشہور گرجا کنیسہ قمامہ کی سیر کی، دورانِ سیر میں نماز کا وقت آگیا، بطریق جو ساتھ تھا اس نے کہا، یہیں نماز پڑھ لی جائے آپ نے انکار کر دیا اور باہر نکل کر نماز ادا کی، بطریق نے پوچھا، ایسا کیوں کیا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:۔

"اگر میں یہاں نماز پڑھ لیتا، تو میرے بعد مسلمان اس کنیسہ کو تم سے چھین لیتے، کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز پڑھی ہے، پھر آپ نے اس مضمون کی تحریر بلکہ دی کہ گرجا کی سیڑھیوں پر بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کی جائے اور نہ اذان دی جائے"[1]

یہ تھا احتیاط، اور ذمہ داریوں کا احساس، اسے کہتے ہیں غیر مذہب والوں کے ساتھ رواداری، اور حسن سلوک،۔ ارباب حکومت کے لئے اس واقعہ میں بڑا سبق ہے، کاش وہ غور و فکر سے کام لیں۔

ایک سال حجاز میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے مصیبت زدوں کی امداد کا عمدہ سے عمدہ نظم کیا، اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ:۔

"حضرت عمرؓ نے قسم کھالی تھی، کہ جب تک یہ قحط دور نہ ہو جائے گا، وہ گھی اور شہد (جو دسترخوانِ خلافت کی بہترین غذائیں تھیں) استعمال نہ کریں گے، آپ روٹی زیتون کے تیل کے ساتھ استعمال کرتے رہے، حتیٰ کہ آپ کا معدہ خراب ہو گیا، ایک دن غلام یہ حالت دیکھکر، بازار سے کچھ گھی اور شہد خرید لایا، اور عرض کیا یا امیر المومنین! اپنی قسم کا کفارہ دیدیجئے، اور اسے استعمال کر لیجئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ جب تک میں خود تکلیف نہ اٹھاؤں دوسروں کی تکالیف کا اندازہ کیسے کر سکتا ہوں؟ پھر آپ نے اس گھی اور شہد کو صدقہ کر دینے کا حکم دیا"[2]

یہ ہے مسلمانوں کا خلیفہ، آپ خوب تنقیدی نگاہ ڈالیں، اور بتائیں خلیفہ نے جو کچھ کیا، وہ اسے کتنا بلند کرتا ہے؟ اللہ اکبر یہ بھی قوم اور مُلک سے سچی محبت، کہاں ہیں رہبرانِ قوم، اور ملکوں کے حکمراں؟ آئیں سبق حاصل کریں۔

شاہ مقوقس نے ایک دفعہ اپنے یہاں کے کچھ لوگوں کو سفیر بنا کر بھیجا کہ مسلمانوں کی حالت کا بغور مطالعہ کریں اور صحیح رپورٹ دیں، تاکہ اس کی روشنی میں کوئی فیصلہ کیا جائے۔ سفراء گئے اور وہاں کچھ دن رہ کر واپس آئے۔ مقوقس نے کہا حالات بیان کرو، سفیروں نے کہا:۔

"اے بادشاہ! مسلمان ایک ایسی قوم ہیں، جنھیں موت زندگی سے زیادہ پیاری ہے، جنھیں تواضع تکبر سے زیادہ پسندیدہ ہے، ان میں سے کوئی شخص دنیا اور متاعِ دنیا کا حریص نہیں، وہ زمین پر بیٹھنے میں عار نہیں سمجھتے، اور بغیر دسترخوان کے کھانا کھالیتے ہیں، ان کا سردار بھی ان ہی جیسا ہے، کسی بات میں اُن سے ممتاز نہیں، اعلیٰ و ادنیٰ، اور آقا و غلام کی اُن میں تمیز نہیں ہوتی، جب نماز کا وقت آتا ہے، تو سب وضو کرکے ایک قطار میں خشوع و خضوع کے ساتھ خداوند قدوس کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں"[3]

یہ ایک مخالف اور دشمن کا بیان ہے، ان لوگوں کو میرا مشورہ ہے جو ایک ایسا نظامِ حکومت تلاش کرتے ہیں، جس میں امیر و غریب اور شاہ و گدا کی کوئی تمیز نہ ہو، کہ وہ اسلامی نظام حکومت کا مطالعہ کریں، یقین ہے کہ دنیا جس کے لئے سرگرداں ہے وہ دولت اسی میں چھپی ہوئی ہے، نام سے بدکنے کی ضرورت نہیں، یہ خدائی دولت ہے کسی کی میراث نہیں، خدا کے سب بندے برابر کے شریک ہیں، اس بیان سے مقوقس اتنا متاثر ہوا، کہ اس نے اپنی قوم کو کہا

"اے قوم! یہ جماعت اگر پہاڑوں سے بھی ٹکرائے گی، تو انھیں بھی اپنی جگہ سے ہلا دے گی، خیریت اسی میں ہے کہ ہم اس سے پہلے کہ یہ ہم پر حملہ کریں، ہم ان سے صلح کرلیں"[4]

[1] تاریخ ملت ص ۱۷۷ ج ۲۔ [2] ایضاً ص ۱۸۵ ج ۲۔ [3] تاریخ ملت ص ۱۹۰ ج ۲، [4] ایضاً۔

آہ! اب تو خود مسلمان کا یہ حال ہے کہ کہیں ذرا پتا ہلا، اُن کے بدن کے رُونگٹے کھڑے ہوگئے، اب یہ خود ایسی جگہ کی تلاش میں رہتے ہیں، جہاں اُن کو کوئی دیکھنے نہ پائے، ان کو دُنیا کے کسی گوشہ میں چین نہیں، مسلمانو! اسلاف کا دل دماغ پیدا کرو۔

اسکندریہ کی فتح میں تاخیر ہوئی، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ معلوم ہوتا ہے مسلمانوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ پر عمل کرنے میں کچھ مداہنت برتی ہے، چنانچہ آپ نے عمرو بن عاصؓ کے نام ایک خط لکھا، اور اس میں تحریر فرمایا:۔

"مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اعمال و اخلاق کو کتاب و سنت کے بتائے ہوئے نمونہ پر قائم نہیں رکھا ہے، اور حکم دیا کہ وہ سب مسلمانوں کو جمع کر کے انھیں اس غلطی پر متنبہ کریں، اور انھیں تیغ زنی، و تحمل شدائد اور نیک نیتی کی ترغیب دیں۔"[1]

کتنی صحیح تشخیص تھی، واقعہ ہے نباض یہی حضرات تھے، غور کرو ان کی دینی سوجھ کتنی بلند تھی، تاخیر کا سبب اپنی کوتاہی کو ثابت کیا، قدرت پر کوئی الزام نہ ڈالا، کیا اب یہ بات مسلمانوں میں باقی رہی؟ آہ! اب ہم تو دُنیا کے کتے بنکر ذلیل و خوار ہوگئے نہ دُنیا ملی، اور نہ آخرت ہی کے رہے۔ کاش! مسلمان، اب بھی سوچیں اور غفلت سے بیدار ہوں۔

دریائے نیل کی رسم "خون ناحق" جب مسلمانوں کی طرف سے روک دی گئی، تو اتفاق سے دریائے نیل میں پانی نہیں آیا۔ عمرو بن عاص کے پاس شکایت پہونچی، آپ نے دربار خلافت میں لکھا، حضرت عمرؓ نے لکھا کہ ایک خط بھیجتا ہوں، اُسے دریائے نیل میں ڈال دینا۔ فاروق اعظمؓ کے خط کا مضمون یہ تھا

"اللہ کے بندے، اور مسلمانوں کے امیر کی طرف سے نیلِ مصر کے نام، اے نیل! اگر تو اپنے اختیار سے بہتا ہے تو نہ بہہ لیکن اگر تیری روانی کا سر رشتہ خداوند قہار کے ہاتھ میں ہے تو ہم خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔"[2]

خُدا نے رحم کیا، اور پھر دریائے نیل بدستور سابق جاری رہا۔ بلکہ پہلے سے زیادہ مفید ثابت ہوا۔

حضرت عمرؓ پر ایک ایرانی غلام ابو لولو نے صبح کی نماز میں خنجر کے متعدد وار کئے، اور آخر میں خود بھی خودکشی کر کے مرگیا، حضرت عمرؓ کو ہوش آیا تو پوچھا، میرا قاتل کون ہے؟ نام بتایا گیا، سُنکر آپ نے فرمایا:۔

"خُدا کا شکر ہے، کہ میرے خُون سے کسی مسلمان کے ہاتھ رنگین نہیں ہوئے۔"

حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ دُنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آگیا ہے تو اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے کہا:۔

"بیٹا! ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ، ان سے کہنا کہ عمر سلام کہتا ہے، دیکھو امیر المومنین نہ کہنا، کیونکہ اب میں امیر المومنین نہیں ہوں، اور پھر عرض کرنا کہ عمر چاہتا ہے کہ آپ کے حجرہ میں دو محترم رفیقوں کے برابر اس کو جگہہ دی جائے۔"[3]

اللہ اللہ کیا عشقِ نبی تھا، مرنے کے بعد بھی جدائی پسند نہ تھی اور پھر کہلوانے میں کتنی احتیاط برتی جارہی ہے، حضرت عائشہؓ حضرت عمرؓ کے دُنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب دیکھکر بیٹھی رو رہی تھیں، کہ اتنے میں عبداللہؓ پہونچے، اور پیام پہنچایا حضرت صدیقہؓ بولیں:۔

"میں اس جگہ کو اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی، لیکن میں انھیں اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔"

اسے ایثار کہتے ہیں، حضرت عائشہؓ ام المومنین تھیں، اور حق یہ ہے کہ انہوں نے حق ادا کر دیا، حضرت عمرؓ کو اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی، سُنکر فرمایا ــــ "الحمد للہ میری سب سے بڑی آرزو یہی تھی" ــــ پھر فرمایا، جنازہ لے کر پہنچنا تو پھر اجازت لے لینا،

فاروق اعظمؓ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو

[1] تاریخ ا... ص ۱۱۲ ج ۲ - [2] ایضاً ص ۱۹۶ ج ۲

[3] تاریخ ملت ص ۱۹۹ ج ۲

آپ رونے لگے، عبداللہ بن عباسؓ نے عرض کیا:۔

"یا امیر المومنین! رونے کی کیا بات ہے، آپ کو خوش ہونا چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے خوش ہو کر تشریف لےگئے صدیق اکبرؓ آپ سے راضی گئے، آج تمام مسلمان آپ سے خوش ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"واللہ! تم دھوکہ میں ڈالنا چاہتے ہو، قسم خدا کی، میں پیش آنے والی منزل کے خطرات سے اس درجہ ڈر رہا ہوں کہ اگر مشرق و مغرب کے خزانے میرے سامنے ہوں، اور انھیں فدیہ میں دیکر جان چھڑا سکوں، تو میں اس سودے کو ارزاں سمجھوں گا۔"[1]

اللہ اکبر! یہ ہے خشیت الٰہی کا اثر، اس بندے کے قلب میں، جس کی پوری زندگی اسلام لانے کے بعد اشاعت دین اور تبلیغ حق میں گذری، جو عشق نبیؐ میں وفات نبویؐ کے وقت از خود رفتہ ہو گیا تھا، جس کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جنت کی بشارت دی تھی، اور یہی نہیں، عالم نزع میں اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے فرمایا "بیٹا! میری پیشانی زمین سے لگا دو" حکم کی تعمیل کی گئی، سجدے میں جا کر فرمانے لگے:۔

"اے اللہ! مجھے اپنی مغفرت سے ڈھانپ لے، اگر ایسا نہ ہوا، تو افسوس مجھ پر اور افسوس میری ماں پر جس کے بطن سے میں پیدا ہوا"[2]

اس کے بعد آپ نے جان، جاں آفریں کے سپرد کی، اور جنت کی راہ لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سوز و گداز ملاحظہ کیا جائے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا جلیل القدر صحابی، اور پھر عادل اور منصف خلیفہ، جس سے تمام لوگ خوش ہیں کہ خلافت کا پورا پورا حق ادا کر دیا، مگر با ایں ہمہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قلب ہے، جو سوز و گداز سے لبریز ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی زخم کھانے کے تیسرے دن ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ بدھ کی رات میں وفات ہوئی، دوسرے دن صبح کے وقت تجہیز و تکفین ہوئی۔ کل عمر ۶۳ سال، مدت خلافت دس سال، چھ مہینے چار دن ہے۔

# بقیہ کوائف دار العلوم دیوبند

خان بہادر شیخ محمد ضیاء الحق صاحب، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی، مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن صاحب علوی، مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نے شرکت فرمائی۔ اس جلسہ میں دار العلوم کے انتظامی کاروبار کے متعلق متعدد تجاویز طے کی گئیں۔

## آئی، اے، ٹکولیا صاحب!

دار العلوم کے ایک مخلص معاون آئی، اے ٹکولیا صاحب جوہانسبرگ سے اپنے وطن ڈابھیل (ضلع سورت) تشریف لائے ہیں۔ ۳۱ مارچ کو آپ دار العلوم میں تشریف لائے حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ نے ممبران مجلس شوریٰ کے ساتھ آپ کو چائے پر مدعو فرمایا۔ دوسرے دن سید محمد ازہر شاہ قیصر مدیر رسالہ نے آپ کی ضیافت کا اہتمام کیا۔ موصوف ہمیشہ دار العلوم کی مالی امداد فرماتے ہیں، اس موقع پر بھی مبلغ ۲۰۰ روپے آپ نے خزانہ دار العلوم میں داخل کئے۔

## ایصال ثواب کی درخواست!

مولوی قاری فخر الدین (فاضل دیوبند) گیا، سے اطلاع دیتے ہیں، کہ انکی والدہ صاحبہ نے رجب کی آخری تاریخوں میں انتقال کیا، مرحومہ نیک، دیندار اور صالحہ بی بی تھیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلیفہ مولانا عبدالغفار صاحب ولایتی کی دختر تھیں، بچپن میں ایک دفعہ اپنے والد کے ساتھ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئی تھیں، پھر تیسرے سال بھی یہ سعادت انہیں میسر آئی تھی۔ حلقہ دار العلوم سے گزارش ہے کہ وہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت اور تلاوت قرآن کریم سے ان کے لئے ایصال ثواب فرمائیں +

[1] تاریخ ملت صفحہ ۲۰۰ ج ۲۔ [2] ایضاً۔

قسط ۲ :-

# دُنیا کی مذمّت اور قرآنِ حکیم

(مولٰنا اخلاق حسین قاسمی الدہلوی)

وہ آیات جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کونسے طالبین دُنیا قابل مذمت ہیں :-

(۱) قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیوٰة الدنیا خالصة یوم القیامة

(اعراف ع ۴)

"کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور سُتھری چیزیں کھانے کی، تو کہہ یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے واسطے ہیں دُنیا کی زندگی میں خالص انہی کے واسطے ہیں قیامت کے دن۔"

حضرت ابن عباس رضؓ کی تفسیر کے مطابق آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ مادی عالم اپنے سازوسامان کے ساتھ صرف اصحاب ایمان کے لئے نعمت ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ وہی لوگ اسے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں، باقی رہے منکرین حق، تو ان کے حق میں یہ سازوسامان نعمت نہیں بلکہ نقمت و عذاب ہے، کیوں کہ ان کے غلط استعمال کی وجہ سے یہ سارا سازوسامان بالآخر دُنیا کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتا ہے، جس کی ہولناک لپیٹ سے یہ خود محفوظ نہیں رہتے۔

(۲) یا ایھا الذین اٰمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوٰة الدنیا من الاٰخرة فما متاع الدنیا فی الاٰخرة الا قلیل -

(توبہ ع ۶)

"اے ایمان والو! تم کو کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ کوچ کرو اللہ کی راہ میں تو گرے جاتے ہو زمین پر کیا خوش ہو گئے دُنیا کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر، سو کچھ نہیں نفع اٹھانا دُنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلہ میں مگر تھوڑا۔"

یعنی وہ دُنیا کے طالب جو مزوں کی طلب میں اس قدر مشغول ہو جاتے ہیں کہ انھیں آخرت کی بازپرس کا بھی خیال نہیں رہتا، وہ طالب دُنیا قابل مذمت ہیں

(۳) ان الذین لا یرجون لقاءنا ورضوا بالحیوٰة الدنیا واطمأنوا بھا والذین ھم عن اٰیٰتنا غافلون اولٰئک مأوٰھم النار بما کانوا یکسبون ۞

(یونس ع ۱)

"البتہ جو لوگ اُمید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور خوش ہوئے دُنیا کی زندگی پر، اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں، ایسوں کا ٹھکانا ہے آگ بدلہ اُس کا جو کماتے تھے۔"

(۴) وویل للکافرین من عذاب شدید الذین یستحبون الحیوٰة الدنیا علی الاٰخرة - (ابراہیم ع ۱)

"اور مصیبت ہو کافروں کو ایک سخت عذاب سے جو کہ پسند رکھتے ہیں زندگی دُنیا کی آخرت سے۔"

(۵) فاما من طغیٰ واٰثر الحیوٰة الدنیا - (نازعات)

"سو جس نے کی ہو شرارت اور بہتر سمجھا ہو دُنیا کا جینا۔"

(۶) بل تؤثرون الحیوٰة الدنیا والاٰخرة خیر و ابقیٰ - (اعلیٰ)

"کوئی نہیں، تم بڑھاتے ہو دُنیا کے جینے کو اور پچھلا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا"

وہ طالبِ دُنیا جو دُنیا کے جینے سے خوش ہوتے ہیں، اسی سے مطمئن ہوتے ہیں، اسی زندگی سے محبت کرتے ہیں، اسی کو ترجیح دیتے ہیں وہ لازمی طور پر آخرت کی زندگی سے غافل ہو جاتے ہیں، وہی طالب دُنیا مذمت کے قابل ہیں۔

بتائیے! آج دُنیا کا امن کن قوموں نے تباہ کر رکھا ہے، اخلاق و رُوحانیت کی اعلیٰ اقدار کن کی تہذیب و فلسفہ کے ہاتھوں برباد ہو رہی ہیں، وہ کون ہیں جنہوں نے کمزور انسانوں پر جینا

دو بھر کر رکھا ہے۔

یہ وہی قومیں تو ہیں جو اپنی مادی اور سائنٹفک ترقی پر مغرور ہو کر آخرت کی جوابدہی کا مذاق اڑاتی ہیں، آخرت کی زندگی پر یقین رکھنے والوں کو بے وقوف سمجھتی ہیں۔

دراصل یہ نتیجہ ہے اسی تصور زندگی کا کہ جو کچھ بھی ہے یہی زندگی ہے۔ اسلام جب دنیا کی تحقیر کرتا ہے، طالب دنیا کی مذمت کرتا ہے تو وہ اسی تصور پر ضرب لگاتا ہے تاکہ افراط کی جگہ اعتدال پیدا ہو اور یہ یقین کہ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے، اور وہیں کا عیش حقیقی عیش ہے، دنیا کی زندگی میں اخلاقیت اور روحانیت کی قدر و قیمت قائم کردے۔

(۷) من کان یرید الحیوٰة الدنیا وزینتها نوف الیهم اعمالهم فیها وهم فیها لا یبخسون اولئك الذین لیس لهم فی الاخرة الا النار وحبط ما صنعوا فیها وباطل ما کانوا یعملون۔ (ہود ع ۲)

"جو کوئی چاہے دنیا کی زندگانی اور اس کی زینت بھگتا دیں گے ہم ان کو ان کے عمل دنیا میں اور ان کو اس میں کچھ کمی نہیں، یہی ہیں جن کے واسطے کچھ نہیں آخرت میں آگ کے سوا برباد ہوا جو کچھ کیا تھا یہاں اور خراب ہو گیا جو کچھ کمایا تھا۔"

(۸) من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا له جهنم یصلاها مذموما مدحورا۔ ومن اراد الاخرة وسعی لها سعیها وهو مومن فاولئك کان سعیهم مشکورا۔ کلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك وما کان عطاء ربك محظورا (بنی اسرائیل ع ۲)

"جو کوئی چاہتا ہے پہلا گھر جلد دیدیں گے ہم اس کو اسی میں جتنا چاہیں پھر ٹھیرایا ہے ہم نے اس کے واسطے دوزخ، داخل ہوگا اس میں اپنی برائی سنکر دھکیلا جاکر، اور جس نے چاہا پچھلا گھر اور دوڑ کی اس کے واسطے جو اسکی دوڑ ہے اور وہ یقین پر ہے سو ایسوں کی دوڑ ٹھکانے لگی ہے، ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں انکو اور ان کو تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روک لی۔"

(۹) من کان یرید ثواب الدنیا فعند الله ثواب الدنیا والاخرة۔ (نساء ۱۹۶)

"جو کوئی چاہتا ہو ثواب دنیا کا سو اللہ کے یہاں ہے ثواب دنیا کا اور آخرت کا۔"

آیات بالا میں لوگوں کی دو قسمیں فرمائی گئی ہیں:۔

(۱) وہ کم حوصلہ لوگ جو اپنے کاموں کے صلہ میں صرف دنیا کا مفاد چاہتے ہیں، حالانکہ خزانۂ قدرت میں بہت کچھ ہے، اس عالم کے لئے بھی اور اس عالم کے لئے بھی، یہی وہ طالب دنیا ہیں جن کے لئے آخرت کی زندگی میں نامرادی کے سوا کچھ نہیں، البتہ انہیں اپنی جد و جہد کے صلے میں دنیا کی زندگی میں شہرت، عزت، عیش اور مال و اولاد سب کچھ عطاء کیا جاتا ہے۔

(۲) دنیا اور آخرت دونوں کو پیش نظر رکھنے والے، یہ لوگ اپنی مراد کو پہنچتے ہیں، دنیا کی کامیابی اور آخرت کی سرفرازی ان کو عطاء ہوتی ہے، خدا کے نیک اور پاکباز بندے اسی طرح دونوں چیزیں اپنے رب سے طلب کرتے ہیں۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ (البقرہ ۲۵)

"اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہمکو دوزخ کے عذاب سے"

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "بیان القرآن" میں سورۂ ہود کی آیت بالا کے تحت لکھا ہے کہ اعمال میں اگر آخرت کے ثواب کی نیت کوئی غیر مسلم بھی کرے گا، تو وہ بھی اجر آخرت سے محروم نہیں رہے گا، اور وہ اجر تخفیف عذاب کی صورت میں عطا کیا جائیگا۔

وہ آیات جن میں مال و دولت کو فضل و خیر کہا گیا ہے:۔

(۱) لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم۔ (البقرہ ۲۵)

"کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا"

آیت کا تعلق حج بیت اللہ سے ہے، لوگوں کا خیال تھا کہ اگر سفر حج میں تجارت کی جائے گی تو اس سے حج جیسی عظیم نیکی کے ثواب میں فرق آجائے گا، کہاں وہ دینداری کا اہم رکن اور

کہاں یہ دُنیاداری؟ اِس جاہلانہ تصوّر کی تردید کرتے ہوئے فرمایا "مال بھی اللہ کا فضل ہے، اگر رُوحانی فضل کے ساتھ ساتھ یہ مادی فضل بھی تلاش کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں"

| | |
|---|---|
| (۲) یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین۔ (بقرہ ۲۶۶) | "تجھ سے پُوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں، کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرو مال سو ماں باپ کے لئے اور قرابت والوں کے لئے" |
| (۳) وما تنفقوا من خیر فلانفسکم۔ (بقرہ ۳۵۶) | "اور جو کچھ خرچ کروگے تم مال سو اپنے ہی واسطے" |
| (۴) فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون۔ (جمعہ ۲ع) | "پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا اور یاد کرو اللہ کو بہت سا۔ تاکہ تمہارا بھلا ہو" |

خُدا کا فضل تلاش کرنے سے مُراد اپنے اپنے کاروبار میں لگ کر روزی تلاش کرنا ہے اور یہی مطلب سورہ مزمل کی آیت ذیل کا ہے۔

| | |
|---|---|
| (۵) وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ | "اور کتنے لوگ پھریں گے ملک میں ڈھونڈتے اللہ کے فضل کو" |
| (۶) وانہ لحب الخیر لشدید۔ (عادیات) | "اور آدمی محبت پر مال کی بہت پکا ہے" |

آیاتِ قرآن کے بعد جب ہم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ذخیرہ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہی حقیقت روزِ روشن کی طرح ہمارے سامنے آتی ہے کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کی مذمت اور تحقیر کرکے ہمیں اس بات سے روکا ہے کہ ہم:۔

(۱) دولت کمانے، محل دو محلے تعمیر کرنے، کھانے، پینے اور دادِ عیش دینے کو اس زندگی کا مقصد نہ قرار دیں۔

بلکہ یہ سمجھیں کہ:۔

(۲) کہ اس عارضی زندگی کا مقصد آخرت کی حقیقی زندگی کو سنوارنا اور اس کو پُرمسرت بنانا ہے اور دولت وحکومت کا حصول اور اس کے لئے جد وجہد، کھانا پینا، صنعت، حرفت، تجارت صلح وجنگ، شادی بیاہ، اولاد کی پرورش، اعزّا واحباب سے تعلق، یہ سب باتیں اس مقصد کے وسائل وذرائع ہیں۔

اِس سلسلہ میں احادیث رسول کا استقصار کرنا تو اس مختصر مقالہ میں مشکل ہے، مثال کے طور پر ہم چند حدیثیں، پیش کرتے ہیں:۔

### تحقیر ومذمت کی احادیث:۔

| | |
|---|---|
| (۱) لو ان الدنیا تزن عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی اللہ منہا کافرا شربۃ ماء۔ (ابن کثیر) | "اگر خدا تعالےٰ کے نزدیک دُنیا کی قیمت مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو خدا تعالیٰ منکرِ حق کو اس کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا" |

(۲) حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں:۔

حضورؐ نے میرے بازو پکڑ کر فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| کن فی الدنیا کانک غریب اوعابر سبیل۔ (بخاری کتاب الرقاق) | "دُنیا میں مسافر کی طرح رہ، یا راہ گیر کی طرح" |

(۳) حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔

"غزوۂ خندق میں سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ خندق کھود رہے تھے، ہم لوگ مٹی اُٹھا اُٹھا کر پھینک رہے تھے اُس وقت آپ بار بار یہ فرما رہے تھے"۔

| | |
|---|---|
| اللھم لاعیش الاعیش الاخرۃ فاغفر الانصار والمھاجرۃ۔ (بخاری کتاب الرقاق) | "الٰہی! زندگی تو در حقیقت آخرت ہی کی زندگی ہے، پس تو انصار و مہاجرین کی مغفرت فرما" |

(۴) حضرت عمرؓ ابن عوف فرماتے ہیں:۔

جب حضرت ابوعبیدہ بحرین سے جزیہ کی رقم لے کر سرکارِ نبوی میں حاضر ہوئے، تو آپ نے انصار کا جوش وخروش دیکھ کر فرمایا۔

"میں تمہارے بارے میں فقر سے اتنا نہیں ڈرتا جس قدر دُنیا کی زیادتی سے ڈرتا ہوں، تمہارے لئے بھی دُنیا اتنی کشادہ ہوجائیگی جتنی تم سے اگلوں کے لئے ہوئی تھی پس جس طرح کثرت مال نے انھیں حرص طمع میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ خُدا سے

غافل ہو گئے تھے اسی طرح تم بھی حرص میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تم میں بھی خدا کی طرف سے غفلت پیدا ہو جائے گی۔" (بخاری)

وہ احادیث جن میں مال و دولت کا دوسرا رُخ پیش کیا گیا ہے:۔

(۱) حضرت ابو سعید خدری رضؓ فرماتے ہیں:۔

ایک روز حضور نے فرمایا، مجھے تمہارے حق میں سب سے زیادہ "ڈر" زمین کی برکتوں کی طرف سے ہے"۔ صحابہ میں سے ایک صاحب نے پوچھا، حضور! یہ زمین کی برکتیں کیا ہیں؟ فرمایا، دُنیا کا ساز و سامان، عرض کیا گیا، حضور! کیا خیر سے بھی شر پیدا ہوتا ہے؟ آپ یہ سُنکر خاموش ہو گئے، ہم نے محسوس کیا کہ شاید حضور پر وحی آ رہی ہے، چند منٹ کے بعد حضور نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا، پھر فرمایا، وہ سائل کہاں ہیں؟، سائل پیش ہوا، ارشاد فرمایا:۔

"خیر سے تو خیر ہی پیدا ہوتی ہے اور یہ مال ایک سرسبز و شاداب میٹھی چیز ہے، تم جانتے ہو کہ فصل بہار میں جو سبزہ اور ہریاول پیدا ہوتی ہے اگر جانور اُسے بھوک سے زیادہ چر لیتا ہے تو وہ یا ہلاکت کے قریب ہو جاتا ہے یا ہلاک ہو جاتا ہے، ہاں جو جانور اتنا کھاتا ہے کہ جب اُس کی کوکیں تن جاتی ہیں تو وہ بس کرتا ہے اور اُسے ہضم کرنے کے لئے دھوپ میں جا کر جگالی کرتا ہے، پیشاب کرتا ہے، لید کرتا ہے اور اس چارہ کو ہضم کر کے پھر واپس آ کر کھانے لگتا ہے تو یہ ہلاک نہیں ہوتا۔

مال واقعی ایک شیریں چیز ہے، جو اسے صحیح طریقہ سے حاصل کرتا ہے اور صحیح طریقہ سے صرف کرتا ہے تو یہ اس کا بہترین مددگار ثابت ہوتا ہے اور جو شخص اس کو حرام طریقے سے حاصل کرتا ہے تو اس کی حالت اس شخص کی سی ہو جاتی ہے جو کھاتا تو خوب ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔" (بخاری کتاب الرقاق)

اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک گراں قدر مقولہ بھی پیش نظر رکھیے، جسے امام بخاری نے زین للناس حب الشہوات کے تحت نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

"خداوندا! ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم دُنیا کے اس قیمتی دنیوی ساز و سامان سے خوش نہ ہوں جو آپ نے ہمیں عطا کیا ہے، البتہ میں تجھ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اس سامان کو صحیح طور پر صرف کرنے کی توفیق عطا فرما۔" (کتاب الرقاق)

اب آخر میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے خیالات بھی مختصراً سُن لیجئے تاکہ یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ صوفیائے حق نے دُنیا کی مذمت کن معنوں میں فرمائی ہے:۔

شیخ فرید کو اپنے ایک مکتوب میں نصیحت فرماتے ہیں:۔

منکرین حق کی ہمنشینی اور ان کے ساتھ ربط ضبط کا یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ شرعی احکام کے جاری کرنے اور رسوم جاہلیت کے مٹانے کا جذبہ کمزور ہو جاتا ہے، ایک بزرگ کا قول ہے:۔

"جبتک کوئی دیوانہ نہیں ہوتا مسلمانی تک نہیں پہنچ سکتا۔"

دیوانہ پن سے مراد یہ ہے کہ احیاء دین کی جد و جہد میں اپنے بڑے سے بڑے ذاتی نقصان کی پروا نہ کرے، اسلام کی خاطر جو بھی گذرے اُسے گذر نے دے، کیوں کہ اسلام نام ہے خُدا اور اس کے رسولؐ کی رضامندی کا، اور رضاء الٰہی سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔

جس طرح اسلام کی ضد کفر ہے اسی طرح آخرت کی ضد دُنیا ہے دُنیا اور آخرت دونوں یکجا جمع نہیں ہوتے۔" (مکتوب ۱۶۳ دفتر اول)

حضرت امام ربانی نے ایک دوسرے مکتوب میں جو محمود پہلوان کے نام ہے، اسے واضح کیا ہے کہ جو "دُنیا" آخرت کی ضد ہے اس دنیا سے کیا مراد ہے؟ فرماتے ہیں:۔

"دُنیا وہ چیز ہے جو دل کو حق تعالیٰ سے ہٹائے اور اسے غیر اللہ میں مشغول کر دے۔"

"ترک دُنیا" سے (جو صوفیاء کے کلام میں آتا ہے) مراد یہ ہوتی ہے کہ دُنیا کا عشق ترک کیا جائے اور عشق کا ترک کرنا اُس وقت ثابت ہوتا ہے جب اس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جائے۔

حسب ذیل حدیث میں جس دُنیا کو ملعون کہا گیا ہے وہ یہی دُنیا ہے:۔

الدنیا ملعون و ملعون ما فیہا الا ذکر اللہ۔ "دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر خدا تعالیٰ کا ذکر"

(مکتوب ۱۹۷ دفتر اول)

# خطبۂ صدارت

## اجلاس جمعیۃ علماء صوبہ متحدہ منعقدہ مُراد آباد

### (از حضرت مولٰنا محمد طیّب صاحب مدظلہٗ)

"ذیل کا خطبۂ صدارت حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے جمعیۃ علماء صوبہ متحدہ کی کانفرنس منعقدہ مُراد آباد میں ۹ مارچ کو ارشاد فرمایا تھا، خطبہ میں مسلمانانِ ہند کی موجودہ ضروریات و مسائل پر مبصرانہ بحث تھی اور انھیں حل کرنے کے لئے مناسب مشورے دیئے گئے ہیں، اِن مباحث کی اشاعت عام کے لئے رسالہ میں اس خطبہ کو جگہ دی جارہی ہے۔ افسوس ہے کہ ایک ماہوار رسالہ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ موقت اور ہنگامی چیزوں کو بروقت شائع کرسکے، یہ ایک قدرتی مجبوری ہے جس کے لئے ہم معذرت چاہتے ہیں۔"

(مدیر)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی۔

امّا بعد:۔ بزرگانِ ملت و اعیان اُمّت

اِس مقدس جلسہ کی صدارت کا یقیناً میں اہل نہ تھا۔ پھر بزرگان اور اکابر و شیوخ کی موجودگی نے تو میری ذات ہی کو درجۂ صفر میں پہونچا دیا ہے، اِس صورت میں کسی نام نہاد اہلیت کا سوال بھی باقی نہیں رہتا اِس لئے جرأت نہیں ہوتی کہ اس مقام پر کھڑا بھی ہوں چہ جائیکہ کچھ عرض و معروض کروں۔ ساتھ ہی اِس مقام کی ذمہ داریاں اور وہ بھی بحالات موجودہ جن وسیع معلومات، اور جس ہمہ گیر فکر و تجربہ کی متقاضی ہیں وہ اپنے اندر مفقود ہیں اِس لئے رہی سہی ہمت بھی جواب دیدیتی ہے۔ لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ جن بزرگوں نے بنام صدارت، یہ عزت افزائی فرمائی ہے، وہی اس کی سرپرستی بھی فرما رہے ہیں اس مقام پر کھڑے ہونے کی جرأت کی اور اکابر و اعیان کے شکریہ کے بعد ذیل کی چند معروضات پیش کرنے کی ہمت ہوئی:۔

حضرات محترم! آج کے حالات جن سے ہم گذر رہے ہیں نہایت پیچیدہ اور نازک ہیں، سطح پُرسکون ہے مگر سطح کے نیچے آب زیرکاہ کا مضمون ہے، اوپر سے سبزہ زار ہے مگر اندر خارزار، اگر کوئی مخلین سبزہ زار میں گُھس جاتا ہے تو نیچے کے چُھپے ہوئے خار اُسے زخمی کئے بغیر نہیں چھوڑتے، خصوصیت سے مُسلمانوں کا معاشرہ چند در چند فتن میں گھرا ہوا ہے، شریعت نے دین کے بارہ میں خبر دی تھی کہ دورِ فتن میں دین کا سنبھالنا ہاتھ میں چنگاری سنبھالنے کے مرادف ہوگا۔ لیکن آج دُنیا کا تھامنا دین تھامنے سے بھی زیادہ مُشکل ہوگیا ہے، کشمکشوں اور مصادمتوں کا دَور دورہ ہے، قوم میں باہم جماعاتی کش مکش الگ ہے۔ فرقہ وارانہ کشاکشی الگ ہے پھر قومی فرقوں اور سرکاری پارٹیوں کی کش مکش علیحدہ ہے، قومی رجحانات اور ہیں، اور سرکاری کچھ اور، کچھ ان دونوں لائنوں سے الگ ہو کر دونوں کے مدِّمقابل ہیں۔ افراد و جماعات ہی میں کش مکش نہیں بلکہ نظریات بھی باہم دست و گریباں ہیں، اِن کش مکشوں میں مسلمان ع

"دوگونہ رنج و عذاب است جانِ مجنوں را"

کا مصداق ہے اور اس کے ہدف ہونے کی صورت یہ ہوگئی ہے کہ

ہر بلائے کز آسماں آید + بر زمیں نارسیدہ می پُرسد
خانۂ انوری کجا باشد؟

یعنی مسلم آزاری اغیار کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اگر مسلم آزاروں کی فہرست تیار کی جانے لگے تو اغیار کے ساتھ خود مسلمان بھی اس میں نظر آئیں گے

ظاہر ہے کہ پیچیدہ حالات میں متضاد عناصر کی رہنمائی تو بجائے خود ہے لب کشائی بھی آسان کام نہیں البتہ اس تضاد اور کش مکش کے میدان میں وہی جماعت آگے آسکتی ہے جو ان متصادم نظریات میں اپنے نصب العین کی حیثیت سے فریق کی حیثیت نہ رکھتی ہو، اس کی وسعت قلب و نظر اور پروگرام کی فراخیوں میں سارے نظریات گم ہو کر رہجائیں اور وہ بمنزلہ ایک ثالث اور حکم کے ہو جو سب کے قضیئے چکا سکے۔ ظاہر ہے کہ ایسی جماعت قدرتاً مذہبی جماعت ہوسکتی ہے، جو مذہب کی لائن پر خود بھی گامزن ہو اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لئے جارہی ہو، اور خلق خدا کو ایک ایسی بلندی پر دیکھنا چاہتی ہو کہ یہ نیچے کی ساری کش مکش ان چلنے والوں کی نگاہوں میں ہیچ اور حقیر بن کر رہجائے۔ مذہب اور بالخصوص دین "فطرت" (اسلام) ہی ایک ایسی عالمگیر قوۃ ہے کہ آراء و قیاسات کی ساری حد بندیاں اس میں پہونچکر گم ہو جاتی ہیں۔

اس ہندوستان کی سرزمین میں اگر حضرت سلطان الہند خواجہ اجمیری نور ہند خواجہ کلیری، قطب عالم شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ہر قرن کے علمائے ربانی و مشائخ حقانی قدس اللہ اسرارہم نے ہر پارٹی ہر فرقہ اور ہر فریق کو آخر اپنی وسعتوں میں گم کر کے رکھ دیا تھا، تو ظاہر ہے کہ وہ پارٹی سسٹم کا ثمرہ نہ تھا بلکہ پارٹی فیلنگ سے بالاتری کا کرشمہ تھا، آج بھی اگر مسلم قوم کی صحیح رہنمائی ہوسکتی ہے تو خواہ وہ کسی لائن پر ہو انھیں اعیان امت کے اس ہمہ گیر رنگ اور انہی کے سچے جانشینوں کے اسوۂ پر کارآمد اور مؤثر ہوسکتی ہے۔

جمعیۃ علماء اپنی اصل فطرۃ سے ایک خالص مذہبی جماعت ہے، گو اس نے ۱۹۴۷ء سے قبل سیاسی خدمات کا ایک شاندار ریکارڈ قائم کیا قربانیوں کا لگاتار سلسلہ صفحۂ تاریخ پر ثبت کیا اور آزادی کے میدان جنگ میں نہ صرف یہی کہ کسی سے پیچھے نہیں رہی بلکہ سب سے آگے ہو کر کام کیا۔ لیکن پھر بھی اس کی بنیاد مذہب تھی اور مذہب ہی کے معیار سے اس نے یہ سب کچھ کیا۔ وقتی ضرورت ختم ہو جانے پر بالآخر اس نے پھر اسی اصل کی طرف رجوع کیا جو اس کی اصل سرشت تھی یعنی مذہب اور مذہبی رجحانات۔

جمعیۃ علماء نے ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد سیاست سے علیحدگی کا جو نظریہ قائم کیا وہ یقیناً قومی تعمیر کے لحاظ سے موزوں ہی نہیں بلکہ ضروری تھا، نہ اس لئے کہ سیاست کوئی شجر ممنوعہ تھی یا وہ اُس کے حق میں عدم جواز کے تحت میں آگئی تھی بلکہ عام سیاسی مصالح کے علاوہ اس لئے کہ انقلاب کے بعد کسی قوم کو بنانے والے طبقہ کے لئے سیاسی الجھنوں سے یکسو ہونا ہی طبعاً ضروری ہوتا ہے اور وہ سیاسی اُتار چڑھاؤ میں گھر کر تعمیری کاموں کے لئے وقت نہیں دے سکتا۔

قومی تعمیر کے سلسلہ میں لمبے چوڑے پروگرام کو جو اپنی جزوی تفصیلات کے لحاظ سے بہت وسیع ہے سمیٹ کر ذیل کے عنوانات کے تحت میں لاسکتے ہیں:۔

نظام تعلیم، نظام تبلیغ، اصلاح معاشرہ اور مذہبی تمدنی حقوق کا سیاسی تحفظ۔

قومی تعمیر کی ان دفعات میں سب سے پہلی چیز تعلیم ہے جس سے کسی قوم کا دل و دماغ بنایا جاتا ہے، تمام کامیابیاں اور ہر نوع کی عزت و سربلندی کا ابتدائی زینہ علم ہے، حق تعالےٰ نے انبیاء و مرسلین کا سلسلہ اسی علم کی نشر و اشاعت کے لئے قائم فرمایا۔ اسلام میں سب سے پہلی آیت ہی اِقْرَأْ نازل ہوئی جس کا حاصل پڑھنے پر ابھارنا ہے، اسلام سے قبل کا قریبی دور گو ساری ہی بشری خرابیوں پر مشتمل تھا، مگر اسے دورِ "جاہلیت" کا نام دیکر یہ بتلایا گیا ہے کہ ہمہ نوع شرور آفات کا سرچشمہ جہل اور ہمہ نوع کمالات خوبی کا سرچشمہ علم ہے، اس لئے دینی تقاضوں کے اعتبار سے سب سے پہلا اور اہم ترین مسئلہ تعلیم کا مسئلہ ہے۔

وقت کے لحاظ سے بھی یہ مسئلہ مسلمانوں بلکہ ہر مذہبی فرقہ کے لئے زیادہ سے زیادہ توجہ طلب ہے کیوں کہ جبری تعلیم کے قوانین کے تحت جو نصاب حکومت نے تیار کیا ہے اس سے سیکولرازم کا

ثبوت نہیں ملتا، اس کا عام رُخ بلکہ اسکے بہت سے اجزاء اسلام کے عقائد و اعمال پر براہِ راست ایک مستقل زد ہیں جس سے ایک مسلمان بچہ کا عقیدہ و عمل کے لحاظ سے مسلمان باقی رہنا دشوار ہے، اِس لئے بتقاضائے وقت بھی اس کی شدید ضرورت ہے، کہ مسلمان بچوں کی مذہبی تعلیم کی کفالت قومی طور پر کی جائے۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد بھی اکابر اُمت اور بعض شناسانِ قوم کی یہی اعلیٰ ترین سیاست تھی کہ وہ جا بجا دینی مدارس قائم کرتے چلے گئے۔ اور مسلمانوں کو مذہبی حیثیت سے سنبھال لیا، یہ مدارس آج بھی بحمداللہ کامیابی کے ساتھ جاری اور اپنے کام میں مشغول ہیں اور ان میں سے کتنے ہی مدارس مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، جیسے:- دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مرادآباد وغیرہ، ان مدارس کا مقصد جامع علماء تیار کرنا ہے جو قوم کی ہدایت و رہنمائی کے فرائض انجام دیں۔ لیکن موجودہ دور اور اس کے حالات کے لحاظ سے ان مدارس کے علاوہ ایسے مکاتب کی بھی اشد ضرورت پیش آگئی ہے جو مختلف پراگندہ بلکہ گندہ لٹریچروں کے زہریلے اثرات سے مسلمان بچوں کو محفوظ رکھ سکیں، اگر مدارس دینیہ علماء تیار کریں تو یہ مکاتیب دینیہ پڑھے لکھے دیندار تیار کر سکیں جو گو عالم نہ ہوں، مگر دین کی سمجھ رکھتے ہوں۔

جمعیۃ نے ان ہی مقاصد کی روشنی میں کافی عرق ریزی سے ایک جامع نصاب تیار کر لیا ہے جو بتدریج مُلک میں اپنی جگہ کرتا جا رہا ہے۔ اگر ہندوستان کے مختلف صوبے جمعیۃ کے ساتھ اس بارے میں تعاون کریں اور اس کے پروگرام کے مطابق یہ نصاب رائج کرنے پر تُل جائیں تو بہت حد تک اس زہر کو نکالا جا سکتا ہے، جو ان غیر معتدل نصابوں یا مروجہ بیسک تعلیم کے ذریعہ دل و دماغ میں پیوست کیا جا رہا ہے۔

**اُردو** اِس ابتدائی اور بنیادی تعلیم کے لئے ذریعہ تعلیم اُردو زبان کے سوا دوسرا نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ اس کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، اُردو ایک ہلکی اور شیریں زبان ہونے کے علاوہ یہاں کی مادری زبان بھی ہے اور ساتھ ہی بہت سے علوم و فنون کی خزینہ دار بھی بن چکی ہے، اس کا تحفظ علوم و فنون کا تحفظ ہے، جو بہر حال مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔

قدیم مدارس دینیہ نے بھی اس ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا ہے اُنہوں نے تعلیم عربی کی رکھی اور تفہیم اُردو کی، اس سے اُردو زبان صرف ہندوستان میں ہی نہیں پھلی پھولی بلکہ دُنیائے اسلام کے ہزارہا افراد اِن مدارس کی بدولت اُردو داں ہو گئے۔ اور آج افغانستان، ایران، چینی، ترکستان، روسی ترکستان، حجاز، افریقہ، عراق، جاوا، ساٹرا وغیرہ دور دراز ممالک بھی اُردو زبان سے بیگانے اور بے تعلق نہیں رہے اور اس لئے جتنے ادارے آج اُردو کے تحفظ پر زور دے رہے ہیں ہمیں ان سب کے ساتھ تعاون کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ پچھلے دنوں انجمن ترقی اُردو نے تحفظ اُردو کے سلسلہ میں جو کامیاب مہم شروع کی جمعیۃ علماء اور مدارس دینیہ نے اس کا خیر مقدم کیا اور تا بحدِ مقدور اس میں تعاون سے کام لیا جس کے اچھے آثار نمایاں ہو چکے ہیں۔

مجھے اس سلسلہ میں ادھر بھی توجہ دلانا ہے کہ جیسے اُردو ہماری وطنی اور علمی ہونے کی حیثیت سے اس ملک میں اہمیت رکھتی ہے، ایسے ہی بلکہ اِس سے کہیں زیادہ عربی زبان کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ یہ قرآن و حدیث کی زبان ہے جو ہمارے دین و مذہب کا سرچشمہ ہے ہندوستانی مسلمان جس حد تک مذہب میں فنائیت کا مقام رکھتے ہیں اسی حد تک وہ اس مذہبی زبان سے نابلد اور بے پرواہ بھی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انھیں قرآن اور اس کے محاورات سے مناسبت پیدا نہیں ہوتی جو بہت حد تک ان کے دینی ذوق کے لئے حجاب اور کتاب و سنت سے بے تعلقی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اگر اقوام و ملل اور دُنیا کے ممالک میں ربط باہمی کا ذریعہ زبان کے سوا دوسرا نہیں تو کتاب و سنت سے لگاؤ اور ربط پیدا کرنے کا ذریعہ بھی عربی زبان کے سوائے دوسرا نہیں۔ ضرورت ہے کہ اُردو نصاب اور اُردو لٹریچر کے ساتھ اب مختصر عربی نصاب بھی مسلمان بچوں میں رائج کیا جائے جو انھیں عربیت سے بیگانہ نہ رکھے۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے اس ضرورت کو مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی سابق پارلیمنٹری سکریٹری نے پورا

کردیا ہے، ان کے عربی نصاب کا پانچ کتب پر مشتمل سٹ عربی کی ایک قابل قدر گنج ہے جس سے بچوں میں بہت آسانی کے ساتھ قلیل مدت میں قرآنی محاورات سے لگاؤ پیدا ہو کر عربیت کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر آگے بھی اس اُردو نصاب کے ساتھ جو جمعیۃ علماء نے مرتب کیا ہے مکاتب کا جزو بنا دیا جائے اور آگے بڑھایا جائے تو یہ اہم ضرورت پوری ہو سکتی ہے جو کتاب و سنت ہی کی حد تک نافع ثابت نہیں ہوگی بلکہ دنیائے اسلام کے باہمی رابطہ کے لئے بھی مؤثر اور کارآمد ثابت ہوگی۔

## تبلیغ

لیکن تعلیم پھر بھی تربیت خواص کا ذریعہ ہے اس سے تذکیر عوام کی ضرورت پوری نہیں ہوتی، اس کا ذریعہ تبلیغ ہے بشرطیکہ وہ جماعتی خصوصیات کی نہ ہو، کہ اس سے تحزب اور گروہ بندی ہوتی ہے، اور مسائل پیچھے رہ جاتے ہیں، خالص اسلامی مسائل کی نشر و اشاعت اور الاہم فالاہم کے قاعدے سے جس قسم کی ضرورتیں پیش آئیں انہی کے مناسب حال شریعت کے مسائل سے دماغوں کو روشنی بخشی جائے۔

جمعیۃ علماء اس فرض سے بھی غافل نہیں رہی، اسکی رپورٹوں میں تبلیغی خدمات کا بھی ایک ذخیرہ موجود ہے۔ فی الحال ایسے مبلغ تیار کئے جانے کی ضرورت ہے جو جھگڑالو نہ ہوں، ضدی نہ ہوں، سنجیدگی اور بصیرت کے ساتھ مسائل کو سلجھا کر دماغوں میں سلجھاؤ پیدا کر دیں۔ آج جبکہ پرچار اور تبلیغ کے نام پر بہت سے پراگندہ خیالات اور غیر اسلامی چیزیں آرہی ہیں اشد ضرورت ہے کہ صحیح مسائل پیش کر کے دلوں کو تشتت و پراگندگی سے بچانے کی کوشش کی جائے۔

## اصلاح تمدن و معاشرت

آج کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ عامۃ مسلمانوں کی معاشرت غیر اسلامی ہوتی جا رہی ہے، اُن کا رہن سہن، چال چلن، رفتار گفتار وغیرہ غیر اقوام کے نمونہ کا ہوتا جا رہا ہے، روحانی آداب کے بجائے نفسانی جذبات دل و دماغ پر چھاتے جا رہے ہیں، شادی، غمی کے اجتماعات اور خانگی زندگی میں غیر اسلامی رسوم اور منکرات بطور جزو زندگی کے داخل ہو گئے ہیں۔ اُن کی اصلاح کے بغیر مسلم قوم کا صحیح کیرکٹر اور مقام متشخص نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اُس کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے۔

اور وہ محض وعظ و پند یا لٹریچر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے ساتھ ہر مقام پر برادریوں میں سے باثر لوگوں کو چُن کر اُن کی علمی کمیٹیاں بنائی جائیں، برادریوں کے بڑوں کی اصلاح پر زور صرف کیا جائے اور پھر اُن کے ذریعہ اس اثر کو پھیلایا جائے۔ جس میں عملی مشقت اور جدوجہد کے بغیر کام نہیں چل سکتا جمعیۃ علماء قیام مکاتب اور تبلیغی نظام کے سلسلہ میں یہ خدمت باحسن اسلوب انجام دے سکتی ہے۔ پس قیام مکاتب اور تنظیمی مساعی کے وقت اس اصلاحی تنظیم کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو بسہولت کامیاب ہو سکتی ہے۔ یہ اصلاحی کام خود اتنا وسیع اور اہم ہے کہ جو طبقہ بھی اس کام میں ہمہ تن لگ جائے گا اُسے دوسرے میدانوں میں کودنے کا وقت نہیں مل سکتا۔

بنابریں ان اُمور کے لئے تقسیم عمل کی ضرورت ہے، قومی کاموں کے سینکڑوں شعبے ہیں اگر کارکنوں کا ایک ہی طبقہ سارے کاموں کو سنبھالنے کی فکر میں لگ جائے تو کوئی کام نہیں ہو سکیگا اس لئے تقسیم عمل کے اُصول پر کارکنوں کی جماعتوں کو بانٹ دیا جانا ضروری ہے۔

جمعیۃ علماء ان تعمیری خدمات میں لگ کر یقیناً سیاسی میدانوں میں پہلے کی طرح نہیں اُتر سکتی۔ لیکن اس کے معنی کلی یکسوئی کے بھی نہیں، اگر جمعیۃ علماء مسلمانوں کی مذہبی معاشرتی اور عام اجتماعی خدمات کے لئے کمربستہ ہوگی تو لامحالہ مثبت پہلو کے ساتھ اُسے منفی پہلو بھی سامنے رکھنے ہوں گے، اور یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ مسلمانوں کے مذہبی، معاشرتی اور تمدنی حقوق پر کس راستہ سے زد پڑ رہی ہے؟ اور اس کے انسداد کی کیا صورت ہے؟ اگر قانون اُن حقوق پر اثر انداز ہے تو اس کے خلاف احتجاج کرنا اور اُسے اپنی پوری آئینی جدوجہد سے بدلوانے کی سعی کرنا بھی اسی کا کام ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس منفی پہلو کی روک تھام کے لئے اسے سیاست اور سیاسی رفتار سے کلی علیحدگی کئے بغیر اس پر گہری اور تنقیدی نظر بھی رکھنی پڑے گی اور ساتھ ہی سیاسی حلقوں سے کچھ نہ کچھ قریب بھی رہنا ہوگا۔ اس لئے جمعیۃ علماء کے سیاست سے کلی علیحدگی کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔ سیاسی میدان سے اس حد تک

تعلق اس کے ۱۹۴۷ء کے اعلان علیحدگی سیاست کے مخالف نہیں کیونکہ سیاست سے اس کا اتنا تعلق کسی عام عملی جدوجہد کے بغیر بھی ممکن ہے۔

جہاں تک پارلیمنٹری سیاست کا تعلق ہے جس سے جماعتی علیحدگی کا اعلان ۱۹۴۷ء میں کیا گیا ہے وہ بدستور اپنی جگہ قائم ہے لیکن اس سلسلہ میں یہ گذارش کئے بغیر نہ رہوں گا کہ خاص افراد کو چھوڑ کر کم از کم جمعیۃ علماء کے عام عہدیداران اور اس نظریہ میں عملی ہم آہنگی قائم رہنی ضروری ہے ورنہ یہ صورت حال غلط اور صحیح ہر قسم کے الزامات کا منشا بنتی رہیگی

جو جماعتیں خالص سیاسی یا دفاعی لائنوں پر کام کرنا چاہتی ہیں ہمارے لئے اُن سے اُلجھنے کا کوئی موقعہ نہیں، تعمیری کام کتنے بھی ضروری ہوں دفاعی ضرورتوں سے کسی وقت بھی خالی نہیں رہ سکتے۔ بالخصوص جبکہ دور ہی کشاکشی اور کش مکش کا ہو تقسیم عمل کے اُصول پر اگر کوئی جماعت اپنے اندرونی دواعی اور سچے ارادوں سے ایسی کوئی لائن اختیار کرتی ہے تو اس کے مسائل پر ہمیں جانچ اور تنقید کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ لیکن خود اُس کمیونٹی یا جماعت کو رد کر دینے کا کوئی موقعہ نہیں، اور اگر وہ آئین کے دائرہ میں اپنے کام کے لئے کوئی وجہ جواز رکھتی ہو تو کلمۂ خیر کہہ دینے میں بھی مضائقہ نہیں

جمعیۃ علماء اپنے اسم و رسم کے اعتبار سے اہل علم کی جماعت ہے جس کا منتہائے نظر مذہب اور دین ہے اس لئے وہ صرف اپنے ہی حلقہ کیلئے نہیں بلکہ مسلمانوں کی تمام کارکن جماعتوں کے لئے ایک مفتی کی حیثیت بھی رکھتی ہے، اس لئے اس کا اخلاقی ہی نہیں بلکہ کوئی نہ کوئی آئینی ربط بھی مُلک کے ذی رائے طبقہ اور مسلمانوں کی دوسری مذہبی اور سیاسی جماعتوں سے قائم رہنا مناسب ہوگا۔ تاکہ مسلمانوں کے ہر طبقہ کی مذہبی ضروریات اور ان کے مواقع و مشکلات خود ان ہی حلقوں کی زبانی براہ راست جمعیۃ علماء کے سامنے آتی رہیں اور ادھر جماعتی مسائل میں جمعیۃ کو بھی ہر طبقے سے فکری مدد ملتی رہے۔ اس سلسلہ میں اگر جمعیۃ کے انتخابات کی صورت میں امکانی حد تک سمیات سے آزاد ہو کر سادہ اور بے تکلف رہیں تو ان میں ہمہ گیری بھی بڑھ جائے گی خواص و عوام کی کشش میں بھی اضافہ ہوگا۔ اور کسی طبقہ کو بھی عقیدت مندانہ انداز سے اس کی طرف رجوع کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

۱۹۴۷ء کے بعد جمعیۃ علماء کے ذمہ دار کارکنوں نے مسلمانوں کے پرسنل اور مخصوص معاملات کی سرانجام دہی کے سلسلہ میں جو شاندار خدمات انجام دی ہیں نہ وہ نظر انداز کی جاسکتی ہیں، اور نہ ہی صفحۂ عالم سے مٹ سکتی ہیں۔ ایسے معاملات کا سلسلہ ظاہر ہے کہ اُس وقت تک برابر قائم رہے گا جب تک کہ حالات کلیۃً سازگار نہ ہو جائیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی حجاج اور زائرین حرم کے پاسپورٹ کے ساتھ انکم ٹیکس کے فارم کی خانہ پُری کی قید بھی ہے جو اسی سال سے لگائی جارہی ہے، یہ مختلف وجوہ سے حجاج کے لئے پریشانیوں کا باعث ہوگی اور اس کا اثر زائرین کی تعداد اور حج کے اُبھرتے ہوئے ذوق و شوق پر بھی پڑ سکتا ہے، اُمید ہے کہ جمعیۃ علماء اس بارہ میں پُوری توجہ سے کام لیتے ہوئے حج کے پاسپورٹ سے اس قید کو اُٹھا دیئے جانے کی پُوری پُوری جدوجہد کرے گی۔

اس سلسلہ میں ایک مسئلہ مسلمانوں کی بیکاری اور بے روزگاری کا بھی ہے جو اُن کے لئے باعث تشویش و پریشانی بنا ہوا ہے۔ اس میں اُلجھ کر کبھی اُن میں ترک وطن کے وساوس اُبھرنے لگتے ہیں کبھی آئندہ نسل کے بارے میں پریشان کن خیالات انھیں ستاتے ہیں، اور یوں بھی بیکاری بہت سے فتنوں کی آبیاری کی جڑ ہوتی ہے۔ برسر کار اور با روزگار ہو جانے سے خود ہی بہت سے مفاسد کا سد باب ہو جاتا ہے، جمعیۃ علماء اسکی کوئی ذمہ داری تو نہیں لے سکتی۔ لیکن اگر زیر غور مسائل میں یہ مسئلہ بھی سامنے رکھ لیا جائے کہ قوم کے اغنیاء یا حکومت کے ذریعہ غرباء کی بیکاری کا مسئلہ حل کرنے کی کیا کیا صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں، تو ممکن ہے کہ کسی حد تک اس مسئلہ میں مسلمانوں کو تسلی دلائی جاکر اور ان کے لئے اطمینان خاطر کا کم از کم استدلالی سامان ہی فراہم کیا جاسکے۔ قیام مکاتب اور اصلاح معاشرہ کی مساعی کے سلسلہ میں اگر یہ مسئلہ سامنے رہے تو ہر جگہ کے اغنیاء اور غرباء کے ارتباط سے اس مشکل کے آسان ہونے کی صورتیں کچھ نہ کچھ ضرور پیدا ہوں گی۔

بہرحال جمعیۃ علماء کی سابقہ بیش قیمت خدمات کے ساتھ آج بھی اگر اس کے تعمیری پروگرام اور کام کو سامنے لایا جائے، تو اسکی وسعتیں سابق سے کم نہیں ہوئیں۔ یہ کہنا کسی طرح بھی معقول نہ ہوگا کہ

اگر جمعیۃ علماء نے سیاسیات سے علیحدگی کا اعلان کر دیا ہے تو اب اس کے کشکول میں کچھ باقی نہ رہا۔ اور اس کی کائنات ختم ہو گئی۔ ہاں اگر اس کی سیاسیات حقیقتاً مذہب کے ماتحت تھیں اور بلاشبہ تھیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے بھی وہ مذہب ہی کا کام کر رہی تھی اور آج بھی مذہب ہی اس کے سامنے ہے۔۔ ضرورت ختم ہو جانے یا بدل جانے پر کام کی نوعیت میں فرق پڑا ہے اصل موضوع و مقصد میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ اور اس لئے آج بھی اس کے نصب العین کا دامن پہلے ہی کی طرح بھر پور ہے، اور اس لئے جس طرح ۱۹۴۷ء سے پہلے اس کے نظام میں شامل ہونے کی ضرورت تھی اسی طرح آج بھی ہے۔ بالخصوص اس کے تعلیمی پروگرام کو عملاً جاری کرنے اور پھیلانے کے لئے ضرورت ہے کہ مسلمان جمعیۃ علماء کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں اور پوری امنگ اور حوصلے کے ساتھ اس کا ساتھ دیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد جمعیۃ علماء ہی ایک ایسی جماعت ہے جس کے پلیٹ فارم پر مسلمان اپنے تمام دینی معاشرتی، تمدنی اور دوسرے تمام جماعتی مقاصد کی تکمیل کر سکتے ہیں۔ اس کے پیچھے ایک شاندار تاریخ ہے جو سب کے سامنے ہے، کل کی طرح آج بھی اس سے اعتماد ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے نئی نئی جماعتیں بنانے کے بجائے یہی زیادہ بہتر ہے کہ اسی بنی ہوئی جماعت سے کام لیا جائے، اس کے نظام کو مضبوط بنایا جائے اور زیادہ سے زیادہ اس کے نظام سے وابستہ ہو کر اُسے کامیاب بنایا جائے، رایوں کے تفاوت اور اختلافِ خیال سے نہ کوئی ادارہ خالی رہ سکتا ہے نہ کوئی جماعت لیکن یہ کسی جماعت کے ساتھ ملکر کام کرنے میں مخل نہیں ہو سکتا بشرطیکہ کام کرنے کا عزم ہو اور نیت صادق ہو بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ جمعیۃ علماء کے مقاصد مسلمانوں کی کسی خاص جماعت یا خاص پارٹی سے بھی تعلق نہیں رکھتے، اِس لئے تمام مسلمان اِس ادارہ کو بلا تفریقِ خیال و مشرب اپنا سکتے ہیں۔۔

جمعیۃ علماء اپنے پیچھے ایک عظیم الشان تاریخ رکھتی ہے، اس کے نظریات ہندوستان کے اُن چیدہ علماء کے ذہنوں کا سرمایہ ہیں جنہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کی کامیاب خدمت اور تربیت کی ہے، اِس لئے اس کے نظریات کی حد تک بے تکلف کہا جا سکتا ہے، کہ اس کے کسی بھی نظریہ کو مان کر مسلمانوں کو پچھتانا نہیں پڑا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس کے نظریات اور ہمارے اعتماد و تعاون میں کوئی خلیج حائل ہو، یا ہم اس کی تنظیم میں شامل ہونے سے کوئی جھجک محسوس کریں۔ اگر رکاوٹ کی کوئی وجہ بھی سامنے ہو تو اس کے دفعیہ کا طریق بھی اعتراض یا دُور بیٹھ کر کچھ کہنے سُننے کی بجائے یہی زیادہ مُفید ہو سکتا ہے کہ یگانگت کے ساتھ قریب ہو کر اس کی اصلاح کیجائے۔

جو چیزیں اس وقت عرض کی گئیں وہ نئی نہیں ہیں، پہلے بھی بارہا کہی جا چکی ہیں، اور اُن کا بہت سا حصّہ خود جمعیۃ علماء کے پروگرام میں پہلے ہی سے شامل ہے مقصد صرف تذکیر و تجدید اور آپ سے طلبِ عمل ہے، کسی آئین و اُصول کی خُوبی کُھلنے کا راستہ صرف عمل ہے، اگر عمل نہ ہو تو قرآنی اور قطعی اُصول بھی اپنی جگہ کتنے ہی بلند پایہ ہوں نافع ثابت نہیں ہو سکتے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ جزوی آراء و قیاسات کے اختلافات کو یک قلم ترک کر کے راہِ عمل پر قدم بڑھایا جائے، بلکہ اب اسکی بھی ضرورت نہ ہونی چاہئے کہ جمعیۃ علماء لوگوں کو بُلانے اور کام میں لگنے کی بار بار اپیل کرے بلکہ لوگ از خود اپنی خدمات پیش کر کے اس کا ہاتھ بٹائیں، اگر بالفرض کارکنانِ جمعیۃ کے عمل میں کوئی کوتاہی اور فرو گذاشت بھی ہے۔ (جس سے کوئی فرد اور کوئی جماعت بری نہیں) تو وہ بھی آپ حضرات کے مستعد ہو جانے اور عمل کا مطالبہ کرنے پر رفع ہو جائے گی جس سے اعتراض کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی۔

بزرگانِ جمعیۃ علماء کی یہ صدارت بخشی اپنے ایک کمربستہ خادم کی محض حوصلہ افزائی ہے، ورنہ اس مجمع اکابر و اعیان کے سامنے ایک ناکارہ و نااہل کا کرسیٔ صدارت ہی نہیں بلکہ اس صف کی کسی کرسی پر بھی آ بیٹھنا جرأت و بے ادبی ہے۔ میں اس بے ادبی کی معافی چاہتے ہوئے اِن سطور کو ختم کرتا ہوں اور "جمعیۃ علماء زندہ باد" کہتا ہوں۔

# "زمین کی آبادکاری کا مسئلہ"

(مولٰنا عبدالرؤف صاحب نائب ناظم مدرسہ نعمت العلوم علاقہ نیپال)

ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقیں
عصر حاضر کے تقاضاؤں سے لیکن ہے یہ خوف
آشکارا ہو نہ جائے شرع پیغمبر کہیں (اقبال)

قصہ یہ ہے کہ بڑا شیطان اپنے چیلے چانٹوں سے کہہ رہا ہے کہ مسلمان اسلامی اصولوں سے دور پڑا ہوا ہے البتہ زمانے کے تقاضوں سے یہ خوف لگا ہوا ہے کہ وہ اسلام کے اصولوں کو آشکارا نہ کردیں۔ اس سلسلے میں مجھے مختلف عنوانوں کے تحت مضمون لکھنے کا خیال پیدا ہوا تو ایک مبسوط مواد میرے سامنے آیا جسکی طرف دنیا آج آتی جارہی ہے اور سمجھتی ہے کہ یہ ہمارے اصول ہیں حالانکہ وہ اصول دراصل اسلامی اصول ہیں، جن کی طرف یہ دنیا بڑھتی چلی آرہی ہے۔ لیکن سردست ملک کے اس زندہ مسئلہ یعنی زمینداری کے خاتمہ اور پبلک کی "بھون دھرمی" کے مسئلہ کو لیجئے۔ قرآن کریم کا اور حامل قرآن (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کا منشاء یہ تھا کہ زمین سے ہمیشہ اس کے زرعی فوائد حاصل کئے جائیں، اور خواہ مخواہ زبردستی قبضہ ڈال کر اس کو غیر مزروعہ اور پرتی اور غیر آباد نہ رکھا جائے۔

چنانچہ سب سے پہلے قرآنی آیت کریمہ کا اشارۃ النص سمجھئے۔ ارشاد ہے:۔ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضْبًا وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا وَحَدَائِقَ غُلْبًا ط (عبس)

اس میں اشارۃ النص نے یہ بتایا کہ زمین ہمیشہ پھاڑنے اور آباد کرکے پھل، غلہ، دانہ اگانے کی چیز ہے اسے غیر آباد، بیکار و پرتی کبھی نہ چھوڑا جائے، حد یہ ہے کہ محض اس کے شرف اور غلہ و پیداوار کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالٰی نے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی جیسے ارشاد فرمایا۔ افرئیتم ما تحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون ط (واقعہ)

غرض اسلام کے اس زرعی اصول کی طرف آج دنیا کھنچی چلی آرہی ہے اور اسی طرح انسانیت کے آخری پیغمبر صلعم کے منشاء مبارک کی تعمیل پر دنیا کے حالات ہی آج اہل دنیا کو جلد جلد آمادہ کر رہے ہیں دنیا بڑھتی ہوئی رسول پاک کے اصولوں کی طرف چلی آرہی ہے، الغاء زمینداری یا جاگیرداری کے خاتمہ کا مسئلہ بھی اس کی، ایک زندہ اور تازہ شہادت ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے:۔

من کانت لہ ارض فلیزرعھا فان عجز عنھا فلیمنحھا اخاہ المسلم ولا یواجرھا۔ (مسلم)

جس کے پاس زمین ہو چاہیئے کہ اس کی خود کاشت کرے اور اگر خود کاشت کرنے سے عاجز ہو تو اپنے کسی بھائی مسلمان کو دیدے جس سے معاوضہ نہ لے، حاصل اس کا یہ ہے کہ جو نہ خود اپنی زمین میں کاشت کرسکتا ہو اور نہ کاشت کرانے کے اخراجات برداشت کرنے کی اس میں صلاحیت ہو تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ ان کے لئے یہ تھا کہ جیسے پسماندہ سرمایہ کی شکل میں کسی کے پاس روپیہ رہجائے تو حاجتمندوں کو بغیر سود کے قرض دیکر اخروی ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دیگئی ہے، اسی طرح چاہیئے کہ زائد از ضرورت زمین کو بطور "منیحہ" ضرورتمندوں کو جوتنے بونے کے لئے دیدے۔ سچی بات تو یہی ہے کہ حدیث[لہ] کا یہی حصہ الغاء زمینداری کے لئے کافی تھا

---

لہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حدیث کے اس حصہ سے فاضل مضمون نگار نے الغاء زمینداری کا جواز کیسے پیدا کرلیا حدیث کے اس حصہ میں جو مشورہ دیا گیا ہے وہ ظاہر ہے کہ زمینوں

(بقیہ بر صفحہ ۳۹ پر دیکھئے)

آخری بات یہ فرمائی گئی کہ مذکورہ بالا مشوروں میں سے کسی مشورہ کو جو قبول نہیں کرتا یعنی نہ خود کاشت کرتا ہے اور نہ کاشت کراتا ہے اور نہ کسی حاجتمند کو بغیر معاوضہ دینے پر اس کا دل راضی ہو تو حکم دیا گیا ہے فلیمسک ارضہ۔ پس اپنی زمین کو روک لے اور جب زمین غیر آباد چھوڑے گا تو غیر آباد زمین کے مالک اور زمیندار کو یہ نوٹس دیا جاتا ہے کہ ان عجزت عن عمارتہا عمرناہا وزرعناہا "اگر اس زمین کے آباد کرنے کی صلاحیت تجھ میں نہیں ہے تو ہم اس زمین کو آباد کریں گے۔"

حکومت کے نوٹس کے ان الفاظ کو نقل کر کے علامہ ابوبکر جصاص نے لکھا ہے۔ کذلک یفعل الامام عندنا بأراضی العاجز عن عمارتہا۔ "اپنی زمین کی آبادی سے جو معذور ہوں اُن کی زمینوں کے متعلق امام کو یہی کرنا چاہئے"

(احکام القرآن ج ۳ ص ۵۳۲)

اور اس قسم کے گشتی فرامین حکومت کی طرف سے جاری بھی ہوا کرتے تھے مثلاً عمر بن عبد العزیزؒ کے فرمان کے الفاظ اسی سلسلہ میں کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں کہ اپنے گورنروں کو لکھا کرتے تھے۔ لاتدعوا الارض خرابا (محلی ابن حزم ج ۸ ص ۲۱۶)

"زمین کو ہرگز غیر آباد نہ چھوڑنا" عمر بن عبد العزیز اسی لئے اپنے والیوں کو بار بار تاکید کے ساتھ لکھا کرتے تھے کہ نصف[۲] محاصل پر کسان زمینوں کو بندوبست کردو، اگر تیار نہوں، تو:۔

فاعطوہا بالثلث فان لم یزرع فاعطوہا حتی یبلغ العشر

تو تہائی پر بندوبست کردو، اگر پھر بھی آباد نہو تو دسویں حصہ کی شرط پر دے دو، اور آخر میں یہ بھی اجازت دے دی جاتی:۔

فان لم یزرعہا احد فامنحہا۔ پھر بھی کوئی کسی زمین کو آباد نہ کرے تو لوگوں کو یونہی مفت آباد کرنے کو دیدو تا اینکہ جس زمین کو مفت لینے پر بھی کوئی آمادہ نہو تو عمر بن عبد العزیزؒ کا حکم تھا فان لم یزرع[۵] فانفق علیہا من بیت مال المسلمین۔ پھر بھی زمین آباد نہ ہو، تو حکومت کے خزانہ سے خرچ کر کے غیر آباد زمینوں کو آباد کرو۔

بہرحال زمین کی آبادکاری کے لئے کوئی ممکن صورت ایسی باقی نہیں رہی جو چھوڑ دی گئی ہو۔ حضرت عمرؓ نے نجران کے سود خوار[۵] سرمایہ داروں کو معاوضہ دے کر زرعی زمینوں کو حاصل کر کے مقامی کاشتکاروں کے ساتھ بندوبست کر دیا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اسی موقعہ کا حضرت عمرؓ کا فرمان نقل کیا ہے:۔ ان جاؤا بالبقر والحدید من عندہم فلہم الثلثان ولعمر الثلث وان جاء عمر بالبذر من عندہ فلہ الشطر۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۹)

اگر بیل اور لوہا (ہل بیل)، کسانوں کی طرف سے مہیا کیا جائے تو ان کو دو تہائی پیداوار کا ملے گا، اور عمر (حکومت) کو تہائی اور تخم کا بندوبست اگر عمرؓ (حکومت) کرے تو کسانوں کو نصف حصہ ملے گا۔ آجکل جس طرح[۶] ہندوستانی گورنمنٹ بڑے بڑے

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸) کو بہرصورت آباد کرنے کی ترغیب دینے پر مشتمل ہے اور جو اس مشورہ کو قبول نہیں کرتا، اپنی زمین پر نہ خود کاشت کرتا ہے نہ دوسروں کو کرنے دیتا ہے تو گویا اس نے عملاً زمین کو بیکار اور اس کے منافع سے نسل انسانی کو محروم کر دیا ایسی حالت میں یہ فیصلہ فطری اور منصفانہ ہوگا کہ اس سے حاکم وقت زمین لیکر بطور خود اس کی آبادکاری کا انتظام کرے یا کسی دوسرے کام کرنے والے کو دیدے۔ اس مسئلہ کی

۴۔ ثبانی شکل اس کے سوا اور کیا نکل سکتی ہے کہ جس نے اپنی زمین کو خود آباد کیا، یا اس کو خود دوسروں پر تقسیم کر دیا اُس سے زمین چھین لینے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، زمین چھین لینے کی سزا اس مشورے کو قبول نہ کرنے کی شکل میں دی گئی ہے۔ (دار العلوم)

۵۔ یہاں اسکی صراحت کرنی چاہئے تھی کہ نجران کے سود خوار سرمایہ داروں سے حضرت عمرؓ نے معاوضہ دیکر زمین کیوں لی؟ کیا اس خیال سے کہ جو غیر آباد زمینیں ان کے قبضے میں ہیں انھیں دوسرے کاشتکاروں کو دیکر آباد کیا جائے یا صرف ان سرمایہ داروں کے سرمایہ سے کوئی دشمنی تھی اور صرف ان کے مالی ذرائع کو مسدود کر دینا ہی پیش نظر تھا؟

۶۔ فاضل مضمون نگار کی یہ رائے محل نظر ہے کہ ہندوستان کے بعض صوبوں میں زمینداری کی تنسیخ کے لئے جو پیش قدمی کی گئی ہے وہ اسے اسلامی اصول سے کوئی مناسبت اور مشابہت حاصل ہے اس لئے کہ موجودہ تنسیخ زمینداری کا مقصد زمینوں کی آبادکاری نہیں بلکہ ایک طبقہ (زمینداروں) کی طاقت کو توڑنا ہے۔ اسلام نے کسی طبقہ کی طاقت کو توڑنے اور ناجائز طریق پر اس کے مالی سرمایہ کو چھین لینے کو نہ جائز سمجھا اور نہ بتایا۔ فاضل مضمون نگار نے اس سلسلے میں جو واقعات پیش کئے ہیں ان کا حاصل یہ نہیں کہ عاملین اسلام نے زمینداروں اور جاگیرداروں کے بے وجہ زمینیں چھینیں بلکہ صرف یہ ہے کہ غیر آباد اور غیر مزروعہ زمینوں کو ہر ممکن طریق سے آباد کرنا چاہا، اور ان حالات میں عاملین اسلام کے لئے یہ کہنا ہی غلط ہے کہ انہوں نے زمینداری کو ختم کیا۔ (دار العلوم)

سرمایہ داروں، زمینداروں کو معاوضہ دیکر زمین اُن سے لے کر تقسیم کردی ہو، میرے نزدیک یہ اسلامی اُصولوں کی طرف ایک بڑھتا ہوا قدم ہے اور اسلام کے زندہ و پائندہ اُصول سے ماخوذ ہے۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:۔

## چند واقعات

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث کو پوری وادی عقیق دے دی تھی لیکن وہ اس کا بڑا حصہ آباد نہ کر سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے یہ زمین اس لئے نہ دی تھی کہ نہ خود آباد کریں نہ دوسروں کو آباد کرنے دیں، فرمایا۔ فخذ منها ما قدرت على عمارته ورد الباقى۔ "جتنی آباد کر سکتے ہیں اپنے پاس رکھیئے اور بقیہ واپس کیجئے"۔ حضرت بلالؓ نے کہا کہ میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی زمین کبھی واپس نہ کرونگا۔ اس انکار کے باوجود حضرت عمرؓ نے آباد شدہ حصہ کو چھوڑ کر بقیہ زمین واپس لے لی۔ فَاَخَذَ مِنْهُ مَا عَجَزَ عَنْ عِمَارَتِهَا فَقَسَمَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ (کتاب الاموال صفحہ ۲۹۰) یہ واقعہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ خلیفۃ اللہ کے سامنے خلق اللہ کا عام مفاد ہوتا تھا وہ اس کے لئے نہ اپنے بزرگ ساتھیوں کے ساتھ کسی قسم کا ترجیحی سلوک کرنے کے لئے تیار تھے اور نہ محض جذباتی اُمور سے متاثر ہو کر عام مفاد کو نظر انداز کر سکتے تھے۔ جب رسول اللہ کا دیا ہوا عطیہ بلالؓ جیسے بزرگ سے واپس لیا جا سکتا ہے تو دیگر نا اہل لوگوں کے پاس سے بیکار زمین واپس لینے میں کیسے غور و فکر کی گنجائش نکل سکتی ہے؟

(نوٹ) بلالؓ مؤذن رسول کی ذات اس بلالؓ سے مراد نہ تھی کیونکہ وہ بلال بن رباح ہیں نہ کہ بلال بن حارثؓ (استیعاب)

(۲) رسول اللہ نے ایک اور شخص کو زمین دی تھی، حضرت عمرؓ نے آباد کئے ہوئے حصہ کو چھوڑ کر بقیہ زمین واپس لے لی (کتاب الخراج الیحییٰ)

(۳) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت طلحہؓ کو قطیعہ ایک جاگیر عطا فرمائی اور چند لوگوں کو گواہ بنا کر حکم نامہ اُن کے حوالہ کر دیا گواہوں میں حضرت عمرؓ بھی تھے حضرت طلحہؓ جب دستخط کرانے کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے دستخط سے انکار کر دیا (اهذا كله لك دون الناس) کیا یہ سب تمہیں ہی مل جائے اور دوسرے محروم رہیں؟ پھر طلحہؓ غصے میں بھرے ہوئے ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ (وَاللهِ لَا اَدْرِيْ اَنْتَ الْخَلِيْفَةُ اَمْ عُمَرُ) "واللہ میں نہیں جانتا کہ کون خلیفہ ہیں آپ ہیں کہ عمرؓ"۔ ابوبکرؓ نے فرمایا بَلْ عُمَرُ وَلٰكِنِ الطَّاعَةُ لِيْ "یعنی عمرؓ کو سمجھو البتہ اطاعت میری ہوگی"۔ الغرض عمرؓ کی مخالفت کی وجہ سے فرمانِ صدیقی رد ہوگیا۔ (منتخب کنز العمال ج ۴ صفحہ ۳۹۰، و کتاب الاموال صفحہ ۲۷۶)

(۴) حضرت عیینہؓ کو صدیق اکبرؓ نے قطیعہ ایک جاگیر دیا جب دستخط کے لئے عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے دستخط کرنے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ لکھے ہوئے کو بھی مٹا دیا۔ عیینہ دوبارہ ابوبکرؓ کے پاس آئے اور دوسرا حکم نامہ لکھنے کی درخواست کی تو فرمایا (واللہ لا اجدد شيئا رده عمر) "خدا کی قسم وہ کام دوبارہ نہ کروں گا جس کو عمر نے رد کر دیا"۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے دستخط سے کیوں انکار کیا جبکہ رسول اللہ ابوبکر اور ابوبکر اور خود عمرؓ سے قطیعہ دینا ثابت ہے اسکی وجہ حضرت عمرؓ نے خود ان الفاظ میں بیان کر دی تھی اَهٰذَا كُلُّهٗ لَكَ دُوْنَ النَّاسِ "کیا یہ سب تجھے ہی مل جائے اور دوسرے محروم رہ جائیں"۔ (منتخب کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۳۷۱ و کتاب الاموال صفحہ ۲۷۷)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ مفاد عامہ کی چیز کو شخص واحد کے لئے مخصوص نہ ہونی چاہیے اور کوئی بھی جاگیر ایک شخص کو صرف اس قدر ملنی چاہیے جتنی کہ وہ آباد و گلزار کر سکے۔

اصل بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلعم، صدیقؓ و فاروقؓ کا مقصد یہ تھا کہ "قطائع" دے کر زمین کو زیر کاشت لایا جائے تاکہ خلق اللہ کو زیادہ سے زیادہ غلہ مہیا ہو سکے۔ مگر یہ بات ہر وقت ملحوظ رہی کہ زمین صرف اُمراء کے ہاتھوں میں پڑ کر ان کے لئے عیش و آرام طلبی کا سامان نہ بنجائے یا بیکار نہ پڑی رہے، اس لئے یہ احتیاط ضروری تھی کہ صرف ان لوگوں کو زمین دیجائے جو اہل تھے اور اتنی دیجائے جتنی وہ استعمال کر سکتے تھے۔ بہر حال عام پبلک کے فائدہ کیلئے بیکار اور زائد از کاشت زمین کو حکومت اسلامی لے لیتی تھی۔

انگریزوں کے دور میں رواج تھا کہ لوگ زمینوں پر سیر خود کاشت لکھا کر اور فرضی ناموں سے اندراج کر کے زمینوں پر قابض رہتے تھے

اور اُس کا حقیقی نفع اُٹھانا لوگوں کے لئے اس نامردگی کی وجہ سے ناممکن تھا ملک میں زرعی زمینوں پر قبضہ ہونے اور ساری زمینوں کے زیر کاشت نہ آسکنے کے باعث قحط اور پیداوار کی کمی ہوتی چلی آتی تھی چوں کہ اسلام کا منشا و یہ تھا کہ جتنی تم خود کاشت کرسکو اتنی پر تم قبضہ رکھو یا جتنی زمین کو اپنے ہلواہوں اور مزدوروں کے ذریعہ کاسکتے ہو اتنی زمین پر تصرف کرو۔ ورنہ باقی حکومت لے لی۔

(۵) حضرت بلال رضؓ سے حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ جو زمین تم کو حضورؐ نے دی ہے اس میں جس قدر بھی تم آباد کرسکتے ہو آباد رکھو۔ فخذ منها ما قدرت علی عمارتہ۔ لیکن جب پوری زمین کی آبادکاری سے عاجز رہے تو باقی ماندہ زمین کو تمام مسلمانوں میں حضرت عمر رضؓ نے تقسیم کردیا۔ اور حضرت بلال رضؓ سے فرمایا کہ تم کو جاگیر حضرت صؐ نے اس لئے دی تھی کہ تم اس کو آباد کرکے فائدہ اُٹھاؤ۔ حضورؐ کا یہ مقصد قطعی نہ تھا کہ تم خواہ مخواہ قابض رہو۔ (تعلیق کتاب الاموال بحوالہ ابوداؤد و مستدرک حاکم صہ ۲۹۰)

(۶) اِس واقعہ پر بھی نظر کیجئے کہ حضرت عمر رضؓ کے عہدِ مبارک میں، ایک شخص نے ایک غیر آباد زمین کو آباد کرلیا اور اس میں درخت وغیرہ لگالئے۔ زمین والے نے دربارِ فاروقی رضؓ میں نالش کی۔ کہ "یہ غیر آباد زمین میری مملوکہ ہے"۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ زمین غیر آباد رکھنے کی چیز نہیں ہے۔ اب اس نے جو کچھ محنت کی ہے ہم اس کی قیمت لگالیں گے۔ تم اس قیمت کو ادا کرکے اُس زمین کو لے لو اور اگر تم اپنی عاجزی اور کمزوری کے سبب اس کے آبادکاری کے اخراجات و مصارف ادا نہیں کرسکتے تو ہم اس صاحب محنت کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ اس زمین کی قیمت دیکر زمین پر اپنے مالکانہ حقوق حاصل کرلے۔ (کتاب الاموال صہ ۲۸۹)

(۷) حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں بھی اس طرح کا ایک قصہ پیش آیا کہ ایک شخص نے زمین کو غیر آباد دیکھ کر اس کو آباد کرلیا۔ اور مکمل طور سے اس کو توڑ تاڑ کر درست کرلیا۔ زمین والے کو خبر لگی اور وہ نالش کو حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ "اس نے جو کچھ اس زمین کے سلسلے میں محنت مزدوری کی ہے تو اس کا معاوضہ دیدے گویا اس نے تیرے ہی لئے یہ کام کردیا"۔ جب اُس نے کہا کہ "میں اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ اسکے مصارف ادا کرسکوں" (اُس کے الفاظ یہ ہیں:۔ لا اقدر علی ذلك) تو مدعا علیہ سے فرمایا۔ ادفع الیہ ثمن ارضہ (کتاب الاموال صہ ۲۸۹) کہ "تم اس زمین کی قیمت ادا کرکے زمین کو آباد و گلزار رکھو"۔ یہ دونوں فیصلے بتلاتے ہیں کہ ان حضرات کا منشا یہ تھا کہ زمین کبھی غیر آباد و بیکار نہ رہنے پائے اور اتنی ہی ہر شخص کے پاس رہے جتنی پر وہ خود کاشت کرسکے۔ اِن حوالہ جات و واقعات کی روشنی میں اب عرض یہ ہے کہ زمین کے وہ بڑے بڑے ٹکڑے "قطائع" جو ایسے زمینداروں کو حاصل ہیں جن کو نہ وہ خود کاشت کرتے ہوں اور نہ اپنے ہلواہوں اور مزدوروں کے ذریعے اُن پر فارم قائم کرکے مُلک کو اس کے زرعی فوائد پہنچاتے ہوں۔ بلکہ فرضی سیر، فرضی خود کاشت، فرضی اندراجات کے ذریعے ان جاگیروں پر قابض رہنا چاہتے ہوں۔ ایسے زمینداروں کے ایسے ظالمانہ قبضہ کے لئے شرع شریف میں کوئی وجہ جواز موجود نہیں ہے۔

پس اسلام کی اس روشن حقیقت ثابتہ کو پیش کرنیکے بعد یہ معاملہ خود آئینہ کی طرح عیاں ہے کہ آج زمین کے غلط استعمال کے روکنے اور ظالمانہ تصرّف کو ان جاگیرداروں کے ہٹانے میں حکومتیں جو طریقہ کار برت رہی ہیں وہ اُن کا ایک قدم اسلام ہی کے روشن اُصول کی طرف ہے۔ اقبالؒ نے واقعی کیا خوب لکھا ہے۔ آپ بھی مکرّر پڑھئے ؎

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے لیکن ہے یہ خوف
آشکارا ہو نہ جائے شرعِ پیغمبر کہیں

## تنقید و تبصرہ !!

تبصرہ نگار کی علالت کی وجہ سے اِس شمارہ کے لئے تنقید و تبصرہ کے صفحات تیار نہیں ہوسکے، کوشش کی جائے گی کہ آئندہ پرچہ میں کچھ تبصرے نکل جائیں دفتر میں تبصرہ کیلئے آنیوالی کتابوں کا انبار جمع ہے، اسلئے ناشرین کتب سے گذارش ہے کہ وہ نئی کتابیں بھیجنے میں ابھی تاخیر فرمائیں۔ اس گذارش کے بعد نئی کتابیں اگر آئیں گی تو اُن پہ تبصرہ کی اشاعت میں تاخیر ناگزیر ہوگی۔

# "اسلام انسانیت کی مکمل تصویر ہے"

(جناب نصیر احمد صدیقی متعلم بی۔ ایس۔ سی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

تاریخ مذاہب کا طالب جب دُنیا کے دوسرے مذہبوں کا مُطالعہ اور اُن کی تاریخ پر غور و فکر کرنے کے بعد اسلام کا جائزہ لیتا ہے تو وہ قدرتاً یہ سوچنے کے لئے تھوڑی دیر کو ٹھیر جاتا ہے کہ اس طویل سلسلے میں اسلام کی جگہ کونسی ہے یعنی اسلام فطرت انسانی کی کونسی ضرورت رفع کرتا اور کونسی کمی پورا کرتا ہے، اور مذاہب میں کیا کمی تھی جس کو اسلام نے پایۂ تکمیل کو پہنچایا بالفاظ دیگر اسلام کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ "اکملت لکم دینکم" "میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا" اس میں کس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جس وقت اسلام دُنیا میں آیا تو بڑے بڑے مشہور مذاہب یہودیت، مسیحیت، ہندومت، بدھ مت، زرتشت، اور کنفوشیس کے مذہب سب کے سب موجود تھے۔ اور مخلوق کی ایک بڑی تعداد اُن سے وابستہ اور اُن کو اپنی ضروریات کے لئے کافی و وافی مانتی تھی۔

ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ ان میں سے متعدد مذاہب خُدا کی طرف سے مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اور ان میں بہت سی صداقتیں بھی موجود تھیں۔ اگرچہ وہ مذاہب بعد میں اپنے ماننے والوں کی تحریف و تنسیخ سے بڑی حد تک بگڑ چکے تھے اور اسلام کے آجانے کے بعد اُن کی مذہبی حیثیت بالکل ختم ہو گئی، ہر انسان کے لئے مدارِ نجات اب صرف اسلام ہے لیکن اسلام کی رو سے ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جتنے مذاہب خُدا نے بھیجے وہ اگرچہ اب قابلِ عمل نہیں مگر لائق عزت اور جتنے ہادی اُس نے مقرر فرمائے وہ واجب التعظیم ہیں۔ یوں بھی ہر مذہب کے ہادی کا ذکر تہذیب سے کرنا اسلامی آداب کا تقاضا ہے۔ جب ایسا ہے تو آخر پھر اسلام کی کیا ضرورت ہے؟

اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں مختصر طور پر اسلام کی آمد کے زمانے اور اس کے ماحول پر نظر ڈالنی ہوگی۔

آپ دیکھیں گے کہ اُس دور میں خود عرب جو بعد کو گہوارۂ اسلام بنا، شراب و قمار، کشت و خون، غرور خاندان اور فخر نسب جیسی بُرائیوں میں گھرا ہوا تھا۔ عرب کے مشرق میں ایرانی قوم تھی اور شمال میں عیسائی۔ یعنی) ایک طرف آتش پرستی کا دور دورہ تھا، اور دوسری طرف مسیحؑ و مریمؑ کی عبادت کا۔

یہ دونوں عظیم الشان سلطنتیں، بادشاہوں کے ظلم، امراء کی عیاشی، عوام کی غلامی اور پستی کا مرکز تھیں۔ زرتشت، اور حضرت مسیحؑ کی صحیح تعلیم کا کہیں نام نہ تھا۔

خود ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان خود کو انسان سے بالاتر سمجھتے اور ذات پات کی تفریق کی بنا پر کروڑوں آدمیوں کو جانور سے کمتر جانتے تھے۔ غرض ایمان و عمل کا فساد دُنیا کے ہر گوشے میں کارفرما تھا۔ اُس وقت عرب کی قوم جو نہ کسی غیر پر حاکم تھی نہ کسی کی محکوم۔ جس میں چند اخلاقی بُرائیوں کے باوجود بعض محاسن اخلاق بھی نمایاں تھے؛ اور جس میں جلد اصلاح قبول کرنے کی صلاحیت تھی۔ اسی لئے چُنی گئی کہ وہ اپنے کو درست کرنے کے بعد انسانیت کی درستی کا بار اُٹھائے۔

اس کی مثال اُس اصیل لوہے کی سی تھی جس پر عارضی طور سے زنگ آجائے، اور ایک ہی رگڑ میں صاف ہو کر جگمگانے لگے۔

اسلام اور رسولِ اسلام نے انسانیت کبریٰ کو جو پیام دیا، وہ اپنی جامعیت میں بے مثل ہے، اس کا تعلق زندگی کے کسی ایک پہلو سے نہیں، بلکہ تمام پہلوؤں سے ہے۔ بات یہ ہے کہ دوسرے مذاہب قبل تاریخ ایسے تاریک زمانوں میں اپنی روشنی لائے تھے جب کہ انسان کی ضرورتیں مختصر، اس کا نقطۂ نظر محدود اور دائرۂ عمل تنگ تھا۔ اُس زمانے کے لئے وہی مذاہب جو کسی مخصوص زمانے یا خاص مُلک سے تعلق رکھتے تھے، کافی تھے۔

اسلام کے آغاز کے وقت نئے دور کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا اور دُنیا کے ممالک ایک دوسرے کے قریب تر ہوتے جا رہے تھے، زندگی کے نئے تقاضے اور نئی ضرورتیں پیدا ہو رہی تھیں۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اب انسان کی ہدایت کے لئے وہ دستور العمل آئے جو اپنی تعلیم کے لحاظ سے ہمہ گیر، اپنے اصول کے اعتبار سے جامع، اور اپنے احکام میں لچک دار ہو۔ یہ مذہب، فرد یا جماعت کے کسی ایک حصّے کو اہمیت دینے والا اور دوسرے کو نظر انداز کرنے والا نہ ہو، اس میں فطرت کے ایک پہلو کی رعایت اور دوسرے سے بے اعتنائی نہ ہو۔ بلکہ یہ انسانی فلاح و صلاح کا مکمل نظام ہو، جس میں ایمان و عمل، دین و دُنیا۔ رُوح و مادّہ، ظاہر و باطن، سب کی رعایت مدِّ نظر ہو۔

دراصل انسانیت مختلف اور بظاہر متضاد عناصر کے مجموعے کا نام ہے۔ اور سچّے مذہب کا فرض ہے کہ ان مختلف عناصر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے۔ یہ متضاد عناصر کی کشمکش ہی حقیقت میں انسان کا تمغۂ امتیاز ہے۔ ورنہ حیوانات اِس کیفیت سے محروم ہیں۔

انسان کی یہ شان ہے کہ اس کو ایک طرف جسمانی پستیاں اپنی طرف کھینچتی ہیں اور دوسری طرف اعلیٰ قدروں کی بلندیاں اپنی کشش دکھاتی ہیں۔ اُس وقت وہ پریشان ہوتا ہے کہ کدھر جائے اور کدھر نہ جائے ؎

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کُفر
کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

صرف اسلام وہ مذہب ہے جو انسانی ضروریات کا صحیح طور پر نباض ہے اور اِس موقع پر امداد کرتا اور اس کشمکش کے دوراہے میں صراطِ مستقیم دکھاتا ہے۔

"اھدنا الصراط المستقیم" میں جس کو ہر مسلمان نمازوں کے اندر کم از کم ۴۳ مرتبہ دل میں دوہراتا ہے۔ اِسی نازک راستے کی طلب کی ایک شکل ہے۔

ایک یورپین مصنّف نے کیا خوب کہا ہے کہ "ہر مذہب کا ایک مزاج ہوتا ہے"۔ مثلاً:۔

یہودیت کا مزاج 'فرض'۔ عیسائیت کا 'رحم'۔ ہندومت کا 'گیان'۔ بُدھ مت کا 'اخلاق' ہے۔

اسی طرح اسلام کا مزاج 'عدل' کی بُنیاد پر قائم ہے یقیناً یہ قول اپنے اندر بڑی گہرائی اور سچائی رکھتا ہے، یوں بھی فلسفۂ اخلاق میں عدالت کو تمام فضائل انسانی کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اگر ہم تعلیمات اسلام پر عمیق نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ یہ عدل یا اعتدال تمام عقائد و احکام کی رُوح ہے۔

مثال کے طور پر دیکھئے تو یہودی مذہب Form. یعنی مذہب کی شکل اور رسم ظاہری پر بہت زور دیتا ہے۔

اس کے برخلاف عیسائی مذہب Spirit یعنی مذہب کی رُوح کو زیادہ مدِّ نظر رکھتا ہے۔

لیکن اسلام بہ یک وقت، ظاہر و باطن، رُوح و جسم، معنی و صورت دونوں کی اہمیت کا قائل ہے۔

وہ اگر ایک طرف قربانی پر زور دیتا ہے، تو دوسری طرف قربانی کا فلسفہ بھی ذہن نشین کر دیتا ہے۔ کہ "دیکھو قربانی کا خون و گوشت خدا کے حضور میں نہیں پہونچتا، تمہاری اطاعت اور تقوٰے اس کے حضور میں پہونچتے ہیں"۔

اِسی طرح وہ نہ دُنیا پرستی کو روا رکھتا ہے، نہ ترکِ دُنیا کو جائز سمجھتا ہے۔ خود رسولِ پاک کا ارشاد ہے: "یاد رکھو! تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے، میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں، لیکن رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں، نفل کے روزے

رکھتا بھی ہوں اور قضا بھی کرتا ہوں"۔

انجیل میں آیا ہے کہ "خدا کا حصہ خدا کو دو، اور قیصر کا حصہ قیصر کو"۔

شاید اسی نقطۂ نظر کے ماتحت بعد کو مکیاولی نے مذہب اور سیاست میں تفریق کر دی، جس کا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ع

"جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"

اس کے برخلاف اسلام سیاست اور مذہب کو دو چیزیں نہیں مانتا۔ ایک مسلمان، پہلے بھی مسلمان ہے اور آخر بھی مسلمان۔ اس کی سیاست بھی مذہب کا ایک جزو ہے۔

وہ اگر وطن کی خدمت کرتا ہے تو یہ سمجھ کر کہ دین کا حکم ہے، وہ اگر غیر مسلم رعایا سے انصاف کرتا ہے تو کسی سیاسی مصلحت سے نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ اس کے مذہب نے یہ تعلیم دی ہے۔ وہ اگر غیر مسلم حکومت سے وفاداری کرتا ہے تو کسی ڈر سے نہیں بلکہ اس لئے کہ وفائے عہد پر خدا اور اس کے رسول نے زور دیا ہے، وہ اگر دشمنی کرتا ہے تو بھی خدا کے لئے۔ اور دوستی کرتا ہے تو بھی خدا کے لئے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام چند عقائد اور چند اعمال کا نام ہے، وہ غلطی پر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور آداب معاشرت سب پر حاوی ہے۔

اور اگر ان میں سے ایک چیز کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو اسی حد تک اسلامی نقطۂ نظر سے ہم میں نقص رہتا ہے۔

یہ حقیقت اور زیادہ آشکار اور استوار ہو جاتی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف اسلامی تعلیم اپنے اندر جامعیت رکھتی ہے، بلکہ ہادیٔ اسلام کی ذاتِ مبارک بھی جامعیت کا عملی پیکر بنا کر ہمارے لئے بھیجی گئی ہے۔

اگر ہم دوسرے ہادیانِ مذاہب کی زندگیوں میں تمام انسانی مشکلات کا حل ڈھونڈیں، تو ہمیں ناکامی ہوگی۔ کہیں ایک پہلو اجاگر ہے کہیں دوسرا۔ لیکن پیغمبر اسلام کی زندگی میں انسان۔ سپاہی۔ تاجر۔ عابد۔ جنرل۔ قاضی۔ حاکم۔ شوہر۔ باپ۔ غرضکہ ہر حالت اور ہر ضرورت کے لئے ہمیں ہدایت مل جائے گی۔ شاید اسی مقصد سے مشیت الٰہی نے دوسرے رہنماؤں کے برخلاف آپ کی سیرتِ پاک کا ایک ایک نقطہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

تاکہ انسانیت طلبِ حق کے وقت مایوسی سے دوچار نہ ہو، اور اپنی مشکل کا حل پانے کے بعد اعتراف کرنے پر مجبور ہو کہ پیغمبر اسلام ہدایت کا کامل نمونہ اور مذہبِ اسلام انسانیت کی مکمل تصویر ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام ؞

قسط ۵ :-

# حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہیؒ

(از مولانا نسیم احمد صاحب فریدی فاضل دیوبند)

**ردِّ قادیانیت** یہ بات علمی حلقوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ مرزائے قادیان کی مصنوعی "نبوت" اور خواہ مخواہی "مسیحیت و مہدویت" کی تصدیق کرنے والوں میں امروہہ کے مولوی محمد احسن (جن کو مولوی لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے) اور بھیرہ کے حکیم نور الدین نمایاں پوزیشن رکھتے تھے ان دونوں اشخاص کو مرزا پر ایمان لانے والے شیخین کا ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں نعوذ باللہ من ذلک۔

اوّل الذکر کے متعلق مورخ امروہہ صاحب تذکرۃ الکرام لکھتے ہیں :-

"(انہوں نے) آخر حصہ (عمر) میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوئے مسیحیت و مہدویت کی تصدیق کی اور جماعت احمدیہ (مرزائیہ) میں داخل ہو کر احمدی (مرزائی) مشرب کی تبلیغ کرتے رہے۔"

آخر میں لکھتے ہیں :-

(ان کو) "قادیانی مشن کی جانب سے گھر بیٹھے تنخواہ برابر ملتی رہی۔"

پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ اور ان سے تحریری مناظرہ ہوا ہے، اور آخر میں پیر صاحب نے اپنا بہترین علمی و تحقیقی شاہکار "سیف چشتیائی" لکھ کر مرزا پر اور اُن کے خاص مُرید محمد احسن صاحب پر اپنی حجت تمام کردی تھی۔

جب فتنۂ قادیانیت حضرت محدّث امروہی کے وطن میں "آستین بر رخ کشیدہ" داخل ہوا، اور ایک ذی علم شخص اضلّہ اللہ علی علمٍ کا مصداق بن کر اس فتنہ کا شکار ہو گیا۔ ایسے وقت میں جس طرح اُن کے استاد معظم حضرت نانوتویؒ کی اسلامی رگِ حمیت جوش میں آجایا کرتی تھی اُنھوں نے بھی نتائج و مآل کار کو سامنے رکھ کر بے چینی کے ساتھ اِس فتنے کے فرو کرنے میں انتہائی کوشش اور جدوجہد فرمائی۔ تقریریں کیں۔ تحریریں لکھیں۔ مناظرہ کرایا اور مباہلے پر طیار رہے۔

اِس میں شک نہیں کہ بقول مولانا سید ابو الحسن صاحب ندوی ردّ قادیانیت میں ان چار مجاہدین اسلام کے نام سر فہرست ہیں (۱) حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب محدث کشمیریؒ (۲) مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ (۳) مولانا محمد حسین صاحب بٹالویؒ (۴) مولانا محمد علی صاحبؒ مونگیریؒ۔ [1]

لیکن اِس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ مرزا کے دعوئے نبوت کے ابتدا ہی میں اگر پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ اور حضرت محدّث امروہیؒ جیسے اکابر وقت بے پناہ علمی حیثیت سے اِس دجل و کمر کا قلع قمع نہ کرتے تو بعد والوں کے کاندھوں پر اس فتنے کے "دفاتر مکر" کی تردید کا زبردست بوجھ پڑ جاتا۔

محمد احسن صاحب کی لایعنی و مرعوب کن تاویلات کی قبا کو (جن تاویلات کے بل بوتے پر مرزا کی "خانہ ساز" نبوت و مسیحیت

---

[1] ملاحظہ ہو ترجمۂ مقالہ عربیہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی در ردّ قادیانیت مندرجۂ "الفرقان" بابت ماہ صفر المظفر و ماہ ربیع الاول ۱۳۷۳ ہجری - ۱۲

حق و صداقت سے نبرد آزما ہونے چلی تھی) حضرت محدث امروہی نے پوری قوت کے ساتھ تار تار کر کے فضائے آسمانی میں اُڑا دیا تھا۔ قاسمی علوم و معارف کے امانت بردار نے بروقت اِس "دجالیت" کا استیصال کر کے حق امانت ادا کیا۔ اور طلباء و عوام کی ایک بڑی جماعت آغاز ہی میں آپ کی بدولت اِس تحریک کے پس منظر سے خبردار اور اُن "اشکالات و اُغلوطات" کے جوابات سے واقف ہو گئی تھی جو علمی حیثیت سے پیش کئے جاتے تھے۔ اگر اس فتنے کا ببوت امروہہ کی سرزمین پر اُسی وقت بند نہ کیا جاتا، تو تمام یو، پی میں سیلاب بنکر اس فتنے کے داخل ہونے کا اندیشہ تھا۔

## مناظرہ و مباہلہ کی دعوت

لوگوں کی زبانی سُنا کرتا تھا کہ حضرت محدث امروہی نے مرزا سے مباہلہ کا اعلان کیا تھا لیکن تحریری ثبوت نہیں ملتا تھا۔ اتفاق سے محمد احسن صاحب قادیانی کی مرتب کی ہوئی روئیداد مباحثہ رامپور سے اس سلسلے کی تحریر بھی مل گئی۔

حضرت محدث امروہی مرزائے قادیانی کو تحریر فرماتے ہیں:

"بسم اللہ! آپ تشریف لائیے میں آپ کا مخالف ہوں، آپ مسیح موعود نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں، آپ اپنے مسیح موعود ہونے کا دعوی کرتے ہیں، میں بنام خدا مستعد ہوں خواہ مناظرہ کیجئے یا مُباہلہ، آپ اپنے اس دعوے کا احادیث صحیحہ معتبرہ اور قرآن پاک سے ثبوت دیجئے، اور میں انشاء اللہ تعالےٰ اس دعوے کی قرآن و احادیث صحیحہ سے تردید کروں گا۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدےٰ"

راقم خادم الطلبہ احقر الزمن

احمد حسن غفرلہٗ

مدرس مدرسہ عربیہ امروہہ

(رسالہ ضروری مباحثہ رامپوری صفحہ ۵۶)

## رامپور میں مناظرہ

امروہہ میں قادیانیت کی بُنیاد رکھنے کے بعد قادیانوں نے ریاست رام پور کو قادیانیت کا مرکز بنانا چاہا تھا اور وہاں اس فتنے سے بعض اشخاص متاثر بھی ہو گئے۔

حضرت محدث امروہی نے سرزمینِ رام پور پہونچکر مجلس مناظرہ منعقد کرائی۔ اکابر دیو بند اُن کے ہمراہ تھے۔ اُدھر قادیانیوں کے تمام "اصاغر و اکابر" رام پور میں جمع ہو گئے تھے۔

نواب حامد علیخاں والئی ریاست رام پور کے زیر اہتمام قلعۂ رام پور کے اندر یہ مناظرہ ہوا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری اہلِ اسلام کی طرف سے مناظر تھے۔ حضرت محدث امروہی کی یہاں پر بھی تقریر ہوئی۔ مناظرہ اور تقریر کا یہ اثر ہوا کہ قادیانیت رام پور میں مُرجھا کر رہ گئی۔ حضرت محدث نے اس مناظرہ کی مختصر روئیداد بصورت مکتوب پھلاوُدہ روانہ فرمائی ہے۔ جس میں انتہائی مسرت کے ساتھ اپنی جد و جہد کا تذکرہ فرمایا ہے اور حق کی فتح پر اظہار شادمانی کیا ہے۔ مناظرہ کی مکمل روئیداد اخبار "اہلحدیث" کے فائل سے معلوم ہو سکتی ہے۔ سنہ ۱۳۲۷ھ (مطابق ۱۵ر جون سنہ ۱۹۰۹ء) کو یہ مناظرہ ہوا تھا۔ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھلاوُدی نے اس مناظرہ کی مندرجہ ذیل تاریخ نکالی ؎

چو از مبحث بدر زد نام احسن
۱۱۹
شکست آمد بشانِ میرزائی
۱۳۲۷ھ

## مرزا کا رسالہ دافع البلاء اور اُس کا موضوع:

جیسا کہ لکھا جا چکا کہ مرزا صاحب کے اثرات محمد احسن صاحب کے ذریعہ امروہہ میں پہونچ رہے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جامع مسجد اور عیدگاہ میں اپنی پُرتاثیر تقاریر سے اِس فتنے کی پُوری علمی قوت سے تردید کی۔ محمد احسن صاحب کو جُرأت نہ ہوتی تھی کہ حضرت مولانا کی علمیت کے مقابل آسکیں۔ اس تردید کی اطلاعیں وہ مرزا کو دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ مرزا نے ایک رسالہ "دافع البلا" ان اطلاعوں سے متاثر ہو کر لکھا اور حضرت امروہی رح کو براہ راست اُس میں مخاطب کیا ہے اور اپنی پیشنگوئیوں سے آپ کو بھی مرعوب کرنا چاہا۔ مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قاسمی جذبے میں

برابر ابھار پیدا ہوتا رہا۔

جس طرح مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا وجود مرزا کے بطلان کی قد آدم دلیل ہے کیونکہ مرزا نے اُن سے مباہلہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ کاذب صادق کے سامنے مرجائے گا۔ مولانا امرتسریؒ ۱۹۴۷ء تک زندہ رہے۔

اِسی طرح حضرت محدث امروہیؒ عقیدۂ اہلسنت والجماعت کی حقانیت کا ایک مجسم و زندہ ثبوت تھے۔ مرزا نے حضرت مولانا کے متعلق کیا کیا پیشنگوئیاں نہیں کیں اور مباہلہ کے چیلنج کو اپنی اُفتادِ طبیعت کے مطابق کڑواہٹ اور سختی کے ساتھ قبول کیا دُنیا جانتی ہے کہ مرزا ۱۹۰۸ء میں ختم ہو گئے اور حضرت امروہی ۱۹۱۲ء میں عالمِ آخرت کو سدھارے۔ یہاں بھی کاذب و صادق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

## ردّ قادیانیت میں ایک عربی تقریر

لا ریبَ فی اَنّ المسیح بن مریم رفعه الله إلى السماءِ حَيًّا وما قتلوہُ وما صلبوہُ یقیناً بل شُبِّہَ لہم وسینزلہٗ اللہ تعالیٰ عِند قُربِ السّاعۃ بعدَ خروجِ الدّجّال فی جامعِ دِمشقَ عِند مِنارۃِ الشرقیۃ بین مہرودتین واضعًا یدایہ علی المَلَکینِ یقطرُ الماءُ مِن راسہٖ کانّما خرجَ مِن دیماسٍ فیکسرُ الصلیبَ ویقتلُ الخنزیرَ ویضعُ الجزیۃَ ویقتُلُ علیٰ یدایہ الدجّال الاکبر ویموت الکافرُ مِن نفسہٖ الشریفۃ یقتُلُ الی حیث ینتھی بصرہٗ اللطیفہ۔ قولٌ حقٌّ لا یاتیہ الباطل بین یدیہ ولا مِن خلفہٖ کما نَطَقَ بہٖ کتابُ اللہِ واَخْبَرَبہ النّبی الصّادق المصدوق ولا یُنَبِّئُکَ مثلُ خبیرٍ۔ فمن قال انّہٗ مات وادّعٰی نفسہٗ بانّہٗ المسیح الموعُود فقد شاقّ اللہ و رسولہٗ واعرضَ عن النصوص الظاہرۃ فی کتابہٖ وکتاب رسولہٖ وخالَفَہُما وخالف الامر الثابت فی الدین ومن یشاقق الرسول مِن بعدِ ما تبیّن لہُ الھدیٰ ویتّبع غیر سبیل المومنین نولّہ ما تولّی ونصلیہ جہنّمَ وساءَت مصیرا۔ اَلا اِنّھم لیقولون مُنکرًا من القولِ وزورا۔ اَلا انّہٗ فریۃ بلا مریۃ کَبُرت کَلِمَۃً تخرج مِن افواھھم ان یقولون اِلّا کذبا۔ اَلا انّھم فی مریۃ من لقاءِ عیسٰی اَلا انّھم فی شکٍّ منہٗ وسیبطل اللہ ما یقول ویفتح بیننا و بینہٗ بالحق واللہ خیرا الفاتحین وھو علیٰ ذٰلِکَ کلّہٖ وکیل وکفیٰ بہٖ وکیلا۔

فیا ایّھا الذین اٰمَنُوا وصدّقوا بکتاب اللہ وکتاب رسولہٖ علیکم ان تکونوا من ھذا الضّال المضلّ علیٰ طرفٍ بعید وحذرٍ شدید فانّہٗ من دجّال ھذہٖ الامۃ۔ صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہٗ الکریم لا تقوم السّاعۃ حتی یبعث کذّابون دجّالون قریب من ثلٰثین کلّھم یزعم انّہٗ رسول اللہ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ یھدی من یشاءُ الیٰ صراطٍ مستقیم۔ وھو لکلِّ شیءٍ خبیر و علیم وھو اَعْلَمُ وعِلْمُہٗ اتم واحکم۔

حرّرہٗ خادم الطلبہ احقر الزمن:۔

احمد حسن الحسینی الامروھی غفرلہٗ ولوالدیہ واحسن الیھما والیہ۔

**ترجمہ اُردو** اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ مسیح بن مریم علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان کی طرف اُٹھا لیا اور اُن کو قتل و صلیب سے بچا لیا۔ وہ قربِ قیامت میں خروجِ دجال کے بعد دمشق کے جانب شرقی کے منارہ کے نزدیک اُتریں گے وہ دو زرد چادروں میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ دو فرشتوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے۔ اُن کے سر سے پانی ٹپک رہا ہوگا گویا وہ ابھی غسل کر کے غسل خانہ سے برآمد ہوئے ہیں۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے

---

لہ یہ تحریر مجھکو حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب صدیقی مغفورؒ کے کاغذات میں ملی تھی، وہاں سے نقل کر کے پیش کر رہا ہوں۔

خنزیر کو قتل کردیں گے۔ جزیہ موقوف کردیں گے۔ دجّال اکبر اُن کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ اُن کے سانس سے کافر مرجائے گا۔ جہاں تک اُن کی نظر جائے گی باطل ختم ہوجائے گا۔ یہ باتیں حق ہیں اس میں باطل کو راہ نہیں۔ کتاب اللہ سے اور نبی صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے یہی ثابت ہے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح بن مریمؑ وفات پاگئے اور وہ خود (نعوذ باللہ) مسیح موعود ہے اُس نے اللہ اور اُس کے رسول سے بغاوت کی اور اُس نے کتاب اللہ اور احادیث کی نصوصِ ظاہرہ سے اعراض کیا۔ اور امر ثابت کی مخالفت کی وہ من یشاقق الرسول الآیۃ کا مصداق ہے یہ مرزائی جھوٹ بولتے ہیں یہ نزول عیسیٰ کے منکر ہیں، عنقریب اللہ تعالےٰ اُن کے قول کو باطل کر دکھلائے گا۔ اور حق کی فتح ہوگی اللہ تعالےٰ بہترین کارساز ہے۔ اے مسلمانو! اور اے کتاب اللہ اور کتاب رسول کے شیدائیو! تم اس گمراہ اور گمراہ کُن شخص سے بچتے رہو اور اُس کے میل جول سے سخت پرہیز رکھو۔ اس لئے کہ یہ اس اُمت کا دجّال ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تیس ۳۰ جھوٹے دجال نہ آجائیں اُن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

## ایک ذی علم کا قادیانیت میں ابتلاء اور اُس سے نجات

مولوی بدرالدین صاحب امروہی حضرت مولانا امروہیؒ کے تلامذہ میں تھے اُن کی آمد ورفت محمد احسن صاحب کے پاس ہوگئی، اُن کی باتیں سُنکر حیات مسیح میں شک و تردد ہوگیا۔ اہل علم دوستوں نے ہرچند اُن کو سمجھایا، لیکن اُن پر باطل کا اثر ہوگیا تھا اس لئے کسی کی نہ سُنتے تھے۔ اور اکثر مناظرہ کرتے تھے۔ حضرت محدّث امروہیؒ کو اس کی اطلاع ہوچکی تھی۔ ایک دن اُن کو حضرت رحؒ کے پاس لایا گیا یا وہ خود بخود آئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو دیکھ کر فرمایا:- " مولوی بدرالدین! حقیقت میں تم ہمارے طبیب رُوحانی ہو، ہمیں یہ غرور ہو چلا تھا کہ ہمارا شاگرد اور ہمارے پاس بیٹھنے والا، باطل میں گرفتار نہیں ہوسکتا۔ اب معلوم ہوا کہ یہ بات غلط ہے، تم نے ہمارے غرور کی اصلاح کردی"۔ نہ معلوم کس جذبے سے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ مولوی بدرالدین زار زار رونے لگے اور قدموں پر لوٹے لوٹے پھرے، اور فاسد عقیدے سے توبہ کی۔

(باقی باقی)

## ایک ضروری اعلان

ہمارے معاون خاص جناب عباس ابراہیم مکرانی، نے اکلکوا (ضلع مغربی خاندیش) سے تیس ۳۰ روپے رسالہ دار العلوم کی امدادی مد میں روانہ کئے ہیں۔ ہم نے طے کیا ہے کہ ہم اس رقم سے دس ایسے خریداروں کے نام رسالہ جاری کریں گے جو نادار ہونے کی وجہ سے رسالہ کا پورا چندہ نہیں دے سکتے۔ ہر خریدار دو ۲ روپے منی آرڈر کے ذریعہ ہمیں بھیجدے کوپن پر اس کا حوالہ دے کہ یہ دو ۲ روپے عباس ابراہیم صاحب کی امدادی رقم کے سلسلہ میں ہیں ہم ہر خریدار کی طرف سے ۳ روپے اس رقم میں ڈال کر رسالہ سال بھر کے لئے اُس کے نام جاری کردیں گے۔

واضح ہو کہ ۳۰ روپے کی یہ رقم دس خریداروں پر ختم ہوجائے گی، باہر سے دس سے زائد اشخاص نے اگر دو دو ۲ ۲ روپے کے منی آرڈر روانہ کئے تو ہم مقررہ تعداد پوری کرلینے کے بعد اُن کے منی آرڈر واپس کردیں گے۔

اِس سلسلہ میں خریداروں کو غیر ضروری خطوط کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ جن لوگوں کو اُن کے منی آرڈر واپس مل جائیں وہ خطوط لکھنے کی زحمت گوارہ نہ کریں +

(ناظم)

(کتبہ احمد رقم) (اپریل ۱۹۵۴ء)

Regd. No. A. 804